بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی نمائندے

(۸)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

کے حالات زندگی کا مختصر جائزہ

جوانوں کے لئے

نشرواشاعت

نام کتاب: الٰہی نمائندے (۸) حضرت امام جعفر صادقؑ

مترجم: ادارہ آثار سبز امروز (حجۃالاسلام مولانا سید نذر امام نقوی)

ناشر: آثار سبز پبلیکیشن

طبع: پہلا ایڈیشن ۲۰۱۶

شابک: ۶-۹۱-۷۴۴۱-۶۰۰-۹۷۸

پرایس: ہدیہ

ایڈریس: تہران، خیابان سمیہ۔ شمارہ ۱۰۹

تلفن: ۸۸۲۲۲۴۴۴۔ صندوق پستی ۱۳۶۱۔۱۵۸۱۵

عنوان و نام پدیدآور	:	حضرت امام جعفر صادق علیه‌السلام: کی حالات زندگی کامختصر جائزه جوانول کی لئی/ [تحریر بعثت فاوندیشن]؛ مترجم سیدنذر امام‌نقوی.
مشخصات نشر	:	تهران: آثار سبز، ۱۳۹۵.
مشخصات ظاهری	:	۲۰۰ ص.؛ ۱۴×۲۱ س‌م.
فروست	:	الهی نمائندی؛ [ج.] ۸.
شابک	:	978-600-7441-91-6
وضعیت فهرست نویسی	:	فیپا
یادداشت	:	اردو.
یادداشت	:	کتابنامه به‌صورت زیرنویس.
موضوع	:	چهارده معصوم -- سرگذشتنامه
موضوع	:	جعفربن محمد (ع)، امام ششم، ۸۳ - ۱۴۸ق. -- سرگذشتنامه
موضوع	:	Jafar ibn Muhammad, Imam VI -- Biography
موضوع	:	Fourteen Innocents of Shiite -- Biography*
شناسه افزوده	:	امام نقوی، سید نذر، ۱۹۶۱ - م.، مترجم
شناسه افزوده	:	بنیاد بعثت
شناسه افزوده	:	الهی نمائندی؛ [ج.] ۸.
رده بندی کنگره	:	۱۳۹۵ ج.۸ ۶۳۸۴الف/BP۳۶
رده بندی دیویی	:	۲۹۷/۹۵
شماره کتابشناسی ملی	:	۴۲۷۱۴۷۲

پیش لفظ ٦

ولادت ١٤

امامؑ کااخلاقاور طرز عمل ١٧

علم امامؑ........ ١٤٠

امام اور حکمراں ١٦٢

امام اور مسلمانوں کی تعلیم وتربیت ١٨٠

امام علیہ السلام کی شہادت ١٨٧

امام علیہ السلام کے گرانقدرارشادات ١٩١

پیش لفظ

شیعت کی گرانقدر تاریخ کا ہر صفحہ جو کہ اسلام کی حادثات سے بھری تاریخ کا آئینہ ہے۔ ان پر نور چہروں کی نشاندہی کرتا ہے کہ جن میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں معاشرے کی نجات کی کشتی اور گمراہوں کے لئے مشعل راہ ہدایت رہا ہے۔

خالص اور انحرافات سے عاری اسلام، ابتدائے اسلام کے منافقین کی سازشوں کی ہولناک وادیوں سے نکل کر حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے عالمی انقلاب کی سرسبز وشاداب وادیوں تک ہمیشہ ہی ایسی بزرگ و گرانقدر اور سورما ہستیوں کے نورانی چہروں میں تجلی کرتا آیا ہے اور یونہی متجلی رہا کرے گا۔

ان عظیم القدر ہستیوں کا علم و دانش اور فضیلتوں والا ہرا بھرا اور بلند و بالا درخت، ہمیشہ ہی ان رہروان راہ حق و حقیقت کی آسودگی کا سایہ بنا رہا جو کہ حقیقت سے

والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں اور خدا نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام کو لٹیروں اور ستمگروں کی لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے خواہاں اور شائق ہیں!

خالص اسلام کے افق پر، شیعی اسلام، محبت و تولی اور قابل ملاحظہ کامیابی کا نیر تاباں ہے کہ جس میں مسلمان، ابوذر اور مقداد جیسے نورانی ستاروں کا نام قابل ملاحظہ اور سرآغاز و سرفہرست ہے اور پھر وہ شہرۂ آفاق اور جامع الشرائط فقہاء ہیں جو کہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے نائبین عام میں شمار کئے جاتے ہیں۔

کون ہے جو اس بات سے ناواقف ہے کہ عقد و عمل کے کوہسار کے ایسے پاک و پاکیزہ جھرنے، ولی و نبوت کے بحر بیکراں کے امواج کا حصہ نہیں ہیں؟ اسی طرح کون ہے جو نہیں جانتا کہ میدان ایثار و فداکاری کے یہ کامیاب سورما، باغ امامت و عصمت کے درختوں کی امید کی شاخیں نہیں ہیں؟

خاندان رسالت مآبؐ کے چادر امامت اوڑھے لوگوں نے جنہوں نے اپنے پاکیزہ خون سے راہ رسول اسلامؐ کو جاری رکھا اور اپنے طاقتور ہاتھوں سے قرآن و توحید کے آفتاب عالمتاب کو اٹھائے رکھا، اسلام کی نجات کے برترین عامل ہونے کی

حیثیت کے ساتھ ہی، انہوں نے اسلام کے حاصلہ نتائج کی تاریخ کے نابکاروں کی لوٹ کھسوٹ سے حفاظت بھی کی ہے۔

سوائے اس کے جو کہ اندھا ہو یا اپنی بینائی سے انکار کر بیٹھے، کوئی بھی تاریخ کی پیشانی پر درخشاں اس عظیم حقیقت سے جو کہ صورتِ اسلام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وارد و منقوش ہوا ہے، انکار کر سکے کیوں کہ اسلام دشمنوں اور جاہلی کفر کے متولیوں نے اپنے جس (فلاخن)[1] ریشمی رومال میں باندھ کر پتھر اسلام کی طرف پھینکے ہیں یا انہیں شیعہ ائمہ علیہم السلام کی جانب نشانہ لگایا ہے وہ یا تو انہیں لگا ہے یا ان کے سچے پیروکاروں کو لہولہان کر گیا ہے۔

ہمارے حقیقی رہنماؤں کی بلند قامتی، ہر سنگ بلا کے لئے سپر تھی تا کہ اسلام پر نہ کوئی چوٹ پہنچے اور نہ ہی معمولی سی خراش بھی آئے۔ وہ محفوظ رہے اور وادی قرون و اعصار کے راہی، حقیقی اسلام کے چشمۂ زلال و پاک کی جانب، راہ کی ہر رکاوٹ اور کفر و ستم کے خس و خاشاک کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے، آگے بڑھتے رہیں اور ہم نے دیکھا کہ اس راہ پر گامزن راہی اس چشمۂ زلال تک پہنچ گئے

[1] دھاگوں یا ریشم سے بنا ہوا وسیلہ کہ جس سے غلیل کی مانند پتھر پھینکا جاتا ہے۔

اور باوجود اس کے کہ دشمن کسی بھی کدورت اور دشمنی سے فروگذاشت نہیں کرتا تھا پھر بھی انہوں نے روشن خیال لوگوں کے لئے اس پاکیزہ روشنی پر کہ جس کو دشمنوں کی دشمنی اور کدورت کی گرد و خاک نے مدہم کرنے کی کوشش کی، کوئی آنچ یا رکاوٹ اور دھندلا پن آنے نہیں دیا۔

آسمان امامت و ولایت کے چھٹے نیر تاباں، ہمارے عزیز و مکرم مولا و آقا، وقت و حالات کے تقاضوں کے پیش نظر، اس سلسلہ نورانیت کے درخشاں ترین نور ہیں۔ آپ کے علوم کی چمک اور درخشانی نے اسلام کو اس قدر نورانیت بخشی کہ اس سے پہلے درخشانی کا شرف امام حسینؑ کی شجاعت نے بخشا کہ اسلام کی بقاء کی ضمانت فراہم ہو گئی۔

ہمارا اسلام، منہ زور سربراہوں اور خاندان رسالت کے خلاف سازش کرنے والوں جیسا نہیں ہے، ہم مذہب جعفریہ کے پیروکار ہیں اور اس نسبت پر افتخار بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اسلام، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالص اسلام ہے تو اس کے پیغام کو امام حسین علیہ السلام کے خون اور اس کے بیان کو حضرت امام جعفر صادقؑ کی تعلیمات میں مشاہدہ کیا جانا چاہیے!

ہمارے عزیز و گرامی قدر رہنما، صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے ایمان و عقیدے پر وہی حق واختیار ہے جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کا جہاد اور امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی صلح اور اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے ریگزار گرم کربلا پر بہائے جانے والے خون اور حضرت فاطمہ (س) وثانی زہرا حضرت زہراؑ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بہائے جانے والے بے پناہ حزن انگیز آنسوؤں کا حق ہے! اگر اسلام وہی ہے کہ جس پر زہرا سلام اللہ علیہا گریہ فرمارہی تھیں، تو ہمارا مذہب جعفری ہونا چاہیئے جو کہ وہی خالص محمدیؐ اسلام ہے، نہ وہ اسلام جو کہ زنگ آلود کرسئ غصب پر بیٹھ گیا اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو غضبناک کردیا۔

امام عالی مقام حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام نے اپنی علمی تحریک سے اسلامی معارف کو اتنی وسعت دی کہ خلفاء کے دربار میں اس کی وسعت و نورانیت کو روکنے پر مبنی رچی جانے والی سازشیں بالکل کارآمد نہ ہوسکیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نسل کے گذر جانے کے بعد بھی جب ہمارے آٹھویں عظیم القدر امام، حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ نیشاپور تشریف لاتے ہیں تو ہزاروں ہزار شائقین و

مشتاق، اسلام کے قائد ورہنما کے کلام کو سننے کے لئے سراپا گوش نظر آتے ہیں۔ اگر اس کامیابی کا موازنہ اس وقت سے کریں جب ہمارے امام چہارم حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، خاندان نبوت کے اسیروں کے ہمراہ شام میں داخل ہوئے اور اہالیان شام غاصبین خلافت کی تشہیر و تبلیغ کے زیر اثر، انہیں ایسا باغی سمجھتے تھے کہ جنہوں نے اسلام کے خلاف بغاوت کی تھی، اسی طرح اگر ہم نیشاپور اور دمشق کے زمان ومکان کے فاصلوں کا موازنہ کریں تو سمجھ جائیں گے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی تحریک و جہاد نے کس قدر ترقی کی اور یہ کس قدر موئثر رہی ہے!

امام عالیمقام کا دستر خوان علم و فیض اس قدر وسیع اور عام تھا کہ نہ صرف اہلبیت علیہم السلام کے پیروکار بلکہ مخالفین بھی بھرپور فائدہ اٹھایا کرتے تھے، یہ بات سبھی بخوبی جانتے ہیں کہ فقہ اہل سنت کے پہلے فقیہ اعظم ''ابو حنیفہ'' کو یہ فخر حاصل تھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دو سال تک تعلیم حاصل

کرنے کے بعد، ان دو برسوں کو اپنی فقہی آگاہی کی جڑ شمار کرتے تھے اور معترف تھے کہ ''اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان (ابو حنیفہ) ہلاک ہو گیا ہوتا''۔[۲]

مکتب صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، مختلف علوم میں نامور لوگوں نے تربیت حاصل کی کہ جن میں سے ہر ایک، اسلامی معارف کی تاریخ میں چہرۂ درخشاں شمار کئے جاتے ہیں۔ فقہ میں، زرارہ و محمد بن مسلم، علم کلام میں، ہشام بن حکم اور مؤمن الطاق، معارف و عرفان میں، جابر بن حیان، اور ریاضیات و سائنس اور دیگر علوم میں اور بھی بہت سے عظیم شاگرد ہیں جو کہ اسلامی علوم وفنون میں ان کی داغ بیل ڈالنے والے شمار کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے علوم الٰہیہ کی چمک اس قدر زیادہ اور چکا چوند کر دینے والی ہے کہ تیرہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی یورپی دانشور ان کی علمی تعلیمات کا جائزہ لینے اور غور وفکر کرنے کی خاطر کوششوں میں سرگرم نظر آتے ہیں اور اس بابت بہت سی کتابیں بھی لکھی جاتی ہیں۔

---

[۲] تحفۂ اثنا عشریہ، ص:۸

ہمارے خیال میں یہ سب کچھ امام عالیمقام کی فضیلت کے مقابلہ میں بہت ہی ادنیٰ کوششیں ہیں، کیوں کہ کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ اس درخت کے اس پتہ کے بارے میں جو کہ سورج کی شعاعوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، ذرہ برابر بھی ستائش کرنے کا اہل قرار پاسکے چہ جائے کہ دعوے کرے کہ سورج کے وجود ذیجود کی ہی تعریف و توصیف بیان کرنے پر قادر ہے۔

یہ مختصر سی کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، حضرت امام جعفر صادقؑ کی تابناک زندگی کا مختصر پہلو اور گوشہ ہے کیوں کہ امام عظیم الشان کے سبھی گوشہائے زندگی پر موشگافی کرنا اور روشنی ڈالنا نہ تو ہمارے اور نہ ہی کسی اور کے اختیار و توان میں ہے!

ہمیں پوری امید ہے کہ یہ تحریر ہمارے عزیز قارئین کے لئے مفید واقع ہوگی اور شاہراہ ہدایت کے لئے مفید اور پر ثمر چراغ راہ واقع ہوگی۔ کوشش آپ کی اور مدد و توفیق خدا کی!

ولادت

خدا کی جانب سے مبعوث کردہ سب سے برتر وافضل اور پیارے نبی، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے اور خاندان کے لئے سترہ ربیع الاول کی تاریخ ایسی مبارک و مسعود ہے کہ ایک سو چالیس سال قبل ولادت حضرت امام جعفر صادقؑ ایسے ہی مبارک موقع پر خداوند عالم نے اپنے سب سے پیارے اور افضل نبی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعنوان نمائندہ خود لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے دنیا میں روانہ کیا اور اب ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گذر جانے کے بعد پھر سے وہ مبارک دن آچکا تھا۔

اس وقت کے، زمین پر سب سے برگزیدہ و منتخب فرد بشر، یعنی حضرت امام محمد باقرؑ کے گھر میں سبھی عجیب طرح کی خوشی و شادمانی سے لبریز اور پر دلوں کے ساتھ اپنے اپنے امور میں سرگرم اور شادماں و فرحاں نظر آرہے تھے۔

خیر و برکت کی سوغات لئے مبارک مولود نے صفحۂ گیتی پر اپنا مبارک وجود تاریخ میں ثبت کردیا تھا تاکہ اپنے جد امجد کے دین کے آوازۂ حق کو بلند کرسکیں۔ افق مدینہ سے ایک اور خورشید ضیا پاش نے بحکم و ارادہ پروردگاری اعلان موجودیت

کر دیا تھا تاکہ ان کے کبھی نہ بجھنے والے چراغ ہدایت سے، خدا کے خالص و مخلص بندوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتے رہیں۔

اس نیر تاباں کا نام اور اسم گرامی ''جعفر'' اور مبارک کنیت ''عبداللہ'' اور لقب ''صادق آل محمدؐ'' ہے حضرت امام جعفر صادقؑ کے والد محترم و مکرم کا نام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تھا جو کہ شیعیان علی کے پانچویں امام اور مسلمین عالم کے رہنما و قائد شمار کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سترہ ربیع الاول ۸۳ ہجری قمری میں مدینہ میں پیدا ہوئے[۳]۔

ان کی والدہ ماجدہ کا نام ''ام فروہ'' تھا۔ امام علیہ السلام نے اپنی والدۂ گرامی کے بارے میں خود فرمایا تھا: ''میری والدۂ ماجدہ، ایمان و نیکی اور تقویٰ و پرہیزگاری میں منفرد اور مثالی حیثیت رکھتی تھیں۔[۴]''

[۳] طبرسی، اعلام الوری، ص: ۲۶۶

[٤]۔ کلینی، کافی، ج: ۱، ص: ۴۷۲

امام عالیمقام کی بابرکت زندگی ٦٥ برس جاری رہی اور انہوں نے اپنی امامت کی ذمہداری کو چونتیس ۳۴ برسوں (۱۱۴ سے ایک ۱۱۴ ہجری) تک، بحسن و خوبی نبھایا۔

ان چونتیس برسوں میں، ''ہشام بن عبدالملک، ''ولید بن یزید ''یزید بن ولید ''ابراہیم بن ولید ''مروان حمار''کہ یہاں تک جن کا تعلق خاندان بنی امیہ سے اور پھر اس کے بعد ''سفاح اور منصور دوانیقی'' جیسے ظالم و جابر سلاطین کا دور دیکھا کہ جن کا تعلق خاندان بنی عباس سے تھا۔[۵]

سلسلۂ امامت کی، بعد امامت امام جعفر صادق علیہ السلام، ساتویں تابناک کڑی، آپ کے عزیز و گرامی قدر صاحبزادے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے، ساتویں امام نے اپنے پدر گرامی کی شہادت کے بعد منصب امامت پر فائز ہوتے ہی فخر مذاہب اسلامیہ، مکتب ومذہب تشیع کی حفاظت و پاسبانی، بہترین طریقہ سے انجام دی۔

۵۔ اعلام الوریٰ، ص: ٢٦٦

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانے میں ہی پیدا ہو چکے تھے اور ایسے گھر میں جہاں کہ ان کے جد امجد کی تلاوت قرآن کی ملکوتی آواز اور عارفانہ دعاؤں کی دلنواز آواز کہ جن پر خدا اور فرشتوں کا دائمی درود و سلام ہو، شب و روز گونجا کرتی تھی، آپ نے ایسے ماحول اور گھر نیز ایسی پاک و پاکیزہ مادری دامن میں پرورش پائی۔ اس کے علاوہ امام علیہ السلام نے اپنے والد محترم کے زمانے میں تمام وقائع و حوادث میں سرگرم طور پر شرکت کی۔ اپنے والد کے ساتھ بارہا حج کا سفر کیا۔ علاوہ ازیں اپنے والد کے سفر شام اور ستمگر اموی خلیفہ ''ہشام'' کے دربار میں موجودگی کے موقع پر ان کی ہمراہی کی۔

امامؑ کا اخلاق اور طرز عمل

ہمارے سبھی معصوم ائمہ علیہم السلام اپنے زمانے میں اسلامی اخلاق اور عمل میں منفرد اور بے مثال حیثیت کے مالک ہوا کرتے تھے اور جیسا کہ اپنے پیروکاروں سے فرمایا کرتے تھے: ''لوگوں کو اپنی زبان کے سوا، اپنے طرز عمل اور سلوک

کے ذریعہ اسلام کی دعوت دیں، ان کی پوری زندگی، جو کہ سبھی شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہوا کرتی تھی، اسلام کی اصلی روش کے دروس پر مبنی و مشتمل ہوا کرتی تھی۔"

ان سے بڑھ کر کوئی بھی اسلامی اصولوں اور احکام کا پابند نہیں ہوا کرتا تھا، وہ کسی بھی معروف کا حکم نہیں کیا کرتے تھے مگر یہ کہ خود بھی دوسروں سے زیادہ اس پر عمل کیا کرتے، لوگوں کو تب تک کسی منکر سے منع نہیں کرتے مگر یہ کہ دوسروں سے پہلے خود اس سے ہمیشہ دوری اختیار نہیں کرتے تھے۔

ان کے زیر نظر پرورش و تربیت پانے والے سبھی افراد، ائمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی کے ہر پہلو سے ایمان اور عمل صالح کا سبق حاصل کیا کرتے تھے اور ان کی روش و سنت کی پیروی کرکے حقیقی، سچے اور طاقتور مسلمان بن جایا کرتے یہاں تک کہ خود بھی سبھی ادوار زمانہ میں دوسروں کے لئے مثالی اور تعلیمی لحاظ سے نمونہ حیثیت کے حامل افراد بن جایا کرتے تھے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؑ کے اخلاق اور طرز عمل سے متعلق کچھ مثالیں پیش کریں "عبدالاعلیٰ" کا کہنا ہے: موسم گرما کا

ایک بہت ہی گرم دن تھا، میں نے مدینہ میں دیکھا کہ امام علیہ السلام اس شدید گرمی میں راستہ طے کر رہے ہیں اور کسی کام سے کہیں جا رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا: ''میں آپ پر قربان جاؤں، میرے مولا! آپ جو کہ خداوند عالم کے قریبی ترین افراد میں سے ہیں اور اس کے نزدیک آپ کا اتنا بڑا مقام و مرتبہ ہے اور اسی طرح آپ جو کہ خاندان نبوت کے چشم و چراغ ہیں، خود کو اس گرمی میں کیوں تکلیف میں مبتلاء کر رہے ہیں۔''

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں روزی کے حصول کے لئے گھر سے باہر نکلا ہوں تا کہ تم جیسے لوگوں کا محتاج نہ رہوں۔[٦]

''ابی عمرو شیبانی'' کہتے ہیں: ''میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ باغ میں کدال چلا رہے ہیں اور ان کے چہرے سے پسینہ کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔''

---

[٦] کافی، ج: ۵، ص: ۷۴

میں نے کہا: ''آپ پر فدا ہو جاؤں ! یہ کدال مجھے دیں۔ مجھے اپنی جگہ کام کرنے دیں؟''

حضرت نے فرمایا: مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ حصول روزی کے لئے سورج کی گرمی کو خود برداشت کروں۔[7]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک واقف کار بنام ''مصادف'' کو تجارت کے لئے مصر بھیجا اور ساتھ میں ایک ہزار دینار بھی دیئے۔ مصادف نے اس ایک ہزار دینار سے کچھ سامان تجارت خریدا اور دیگر تاجروں کے ہمراہ مصر کے لئے روانہ ہوگئے۔ منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ایک ایسے قافلہ سے سامنا ہوا جو کہ دور سے لوٹ رہا تھا، انہوں نے ان لوگوں کی ضروریات پر مبنی سامان کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں معلومات فراہم کیں، قافلہ والوں نے کہا: تم جو سامان مصر لے کر جا رہے ہو یہ وہاں پر نایاب ہے۔

[7] مدرک بالا، ص: ٧٦

مصادف اور ان کے ہمراہ تجارتی قافلہ نے جو اپنا مال تجارت مصر لے کر جا رہا تھا، اپنی متاع تجارت کے بارے میں قافلہ والوں سے آگاہی کے بعد فیصلہ کیا کہ اپنا مال سو فیصدی منافع سے کم قیمت پر فروخت نہیں کریں گے۔ مصر پہنچنے کے بعد انہوں نے ایسا ہی کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مصادف کو ایک ہزار دینار کا فائدہ ہوا، مدینہ واپس آنے کے بعد مصادف نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں امامؑ کے حوالے کیں اور عرض کیا: ''ان دو تھیلیوں میں سے ایک آپ کا اصلی سرمایہ اور دوسری اس کا منافع ہے جو تجارت میں ہوا ہے۔''

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو بہت بڑا منافع ہے، اسے کس طرح حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے؟

مصادف نے دوران سفر کے حالات بتائے اور بتایا کہ کس طرح سے مصر سے واپس آنے والے قافلہ سے ملاقات ہوئی اور ہمارے خریدے ہوئے سامان کی

مصر میں شدید ضرورت اور نایابی کی بات سامنے آئی۔ مصادف نے وہ سب باتیں امام علیہ السلام کو تفصیل سے بتادیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ کیا بات ہے؟ تم مسلمانوں کا ایک گروہ آپس میں عہد کرتا ہے کہ اپنی متاع تجارت کو سو فیصدی منافع سے کمتر قیمت پر فروخت نہیں کرے گا؟

پھر امام علیہ السلام نے ایک ہزار دینار والی اس تھیلی کو کہ جسے اصل سرمایہ کے عنوان سے دیا تھا، اپنے پاس لیکر رکھ لیا اور دوسری تھیلی کو جو کہ منافع اور ماحصل پر مبنی تھی لوٹاتے ہوئے فرمایا:

''میں ایسے منافع کا، جو کہ غیر منصفانہ طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو نیاز مند نہیں ہوں اور اسے قبول نہیں کرسکتا، اے مصادف! جائز اور حلال مال کا کمانا اور حاصل کرنا، تلوار سے پیکار کرنے سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔[۸]''

---

[۸] مدرک بالا، ص:۱۶۱

ایک آدمی کا اپنے عزیز سے وراثت کو لے کر اختلاف تھا، اسی بات کو لے کر ان کا یہ اختلاف شدید جھگڑے میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی "مفضل" کا ادھر سے گذر ہوا انہوں نے دونوں کو جھگڑتا دیکھ، انہیں اپنے گھر لے کر آگئے اور اپنی طرف سے چار سو درہم دے کر آپس میں صلح صفائی کرادی، اس طرح ان کے درمیان کا جھگڑا ختم ہو گیا۔ پھر مفضل نے ان لوگوں سے کہا: تمہیں بتادوں کہ جو چار سو درہم میں نے تمہیں دیئے ہیں وہ میرے نہیں ہیں بلکہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہیں اور انہوں نے یہ کہہ کر مجھے دیئے تھے کہ جہاں کہیں بھی دیکھو کہ دو شیعہ بھائیوں کے درمیان پیسوں کو لے کر اختلاف اور جھگڑا ہو رہا ہو تو اسے میری ملکیت نہ سمجھتے ہوئے ان کے درمیان جھگڑا ختم کرنے اور صلح برقرار کرنے کے لئے خرچ کردو۔[۹]

[۹] مدرک بالا، ج:۲، ص:۲۰۹

"ہارون بن جہم" کہتے ہیں: ہم لوگ "حیرہ" علاقہ میں تھے، یہ وہ شہر تھا جسے کہ "کوفہ" کے قریب ظالم و جابر اور غاصب عباسی خلیفہ "منصور دوانیقی" نے بنایا تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو جبریہ طور پر وہاں نظر بند کر رکھا تھا۔

لشکر خلیفہ کے ایک افسر نے کسی مناسبت سے اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام کیا، جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی مدعو کیا گیا دیگر عمائدین و بزرگان شہر کے ساتھ امام عالیمقام بھی دستر خوان پر بیٹھے، کھانا لاکر پیش کیا گیا، ایک مہمان نے پانی طلب کیا، پانی کی جگہ شراب کی صراحی لاکر رکھی گئی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا آدمی رحمت خداوندی سے محروم اور ملعون ہے جو کہ ایسے دستر خوان پر بیٹھے کہ جس پر شراب رکھی اور پی جاتی ہو۔[۱۰]

[۱۰] مدرک بالا، ج:۶، ص:۲۶۸

منصور دوانیقی کے حکم پر بیت المال کا دروازہ کھول دیا گیا تھا اور ہر کسی کو کچھ نہ کچھ ضرور مل رہا تھا۔ اس میں ''شقرانی'' نام کا ایک ضرورت مند بھی تھا جو بیت المال سے اپنا حصہ لینے کی تگ ودو میں سرگرم تھا لیکن چوں کہ اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا اس لئے کوئی وسیلہ نہیں مل رہا تھا جس کے ذریعہ بیت المال سے اپنے حصہ تک دسترسی پاسکے۔

شقرانی نے اس اعتبار سے کہ ان کے اجداد میں سے ایک غلام تھے اور رسول خداؐ نے انہیں آزاد کردیا تھا اور اس لحاظ سے فطری بات ہے کہ اس آزادی کا انہیں بھی فائدہ ملنا چاہیئے، اسی لئے وہ خود کو رسول اللہ کا مولیٰ (آزاد کردہ) کہا کرتے تھے اور میراث کا حقدار بھی اور اس پر شقرانی کو فخر بھی محسوس ہوتا تھا، اس لئے وہ خود کو خاندان رسالت سے منسوب و وابستہ سمجھتے تھے۔

شقرانی کی پریشان نگاہیں، بیت المال سے اپنا حصہ لینے کے لئے کسی واقفکار کو تلاش کررہی تھیں کہ اچانک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پر نگاہ مرکوز ہوگئی، ان کے پاس گئے اور اپنی حاجت اور خواہش کا اظہار کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے شقرانی کی درخواست پر فوراً عمل کیا اور ان کا حصہ لاکر ان کے

حوالے کرتے ہوئے بڑے دوستانہ اور مشفقانہ لہجہ میں سرگوشی کے انداز میں ان سے فرمایا: اچھے کام کی انجام دہی ہر کسی کے ذریعہ اچھی بات ہے لیکن چونکہ تم ہم سے متّصف ہواور تمہیں لوگ خاندانِ رسالت سے منسوب و وابستہ سمجھتے ہیں اس لئے تمہارے ذریعہ امور کی انجام دہی اور اعمال خیر کی انجام دہی بہتر اور اچھی ہونی چاہیۓ اور براکام وہی کرسکتا ہے جوکہ برا ہوتا ہے، لیکن اسی انتساب کی بناپر تمہارے ذریعہ انجام پانے والاکام اور بھی بری حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بات شقرانی سے کہی اور وہاں سے چلے گئے۔

شقرانی، امام جعفر صادق علیہ السلام کی ڈھکے لفظوں میں نصیحت کو سن کر سمجھ گئے کہ وہ ان کی شراب نوشی کے راز سے آگاہ ہیں اور باوجود اس کے کہ امام عالیمقام ان کی اس بری خصلت سے واقف تھے، پھر بھی ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اورانھوں نے اپنی مہربانی و محبت کے ذریعہ ان کی برائی اور عیب پر

توجہ دلائی، اس بات سے وہ بہت ہی نادم و پشیمان ہوئے اور اپنے ضمیر پر لعنت و ملامت کرنے لگے۔[11]

"ابراہیم بن بلاد" کہتے ہیں: میں نے ایک ایسے غلام کی آزادی کی سند پڑھی کہ جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تحریر کی تھی، اس میں لکھا تھا: جعفر بن محمد نے اس غلام کو خداوند عالم کی رضایت اور خوشنودی کے لئے آزاد کیا ہے اور اس بابت اس غلام سے کسی بھی اجر اور شکر گذاری کا خواہاں نہیں ہوں، بشرطیکہ وہ نماز پڑھے، زکات ادا کرے، حج بجالائے، ماہ رمضان کے روزے رکھے، خدا کے چاہنے والوں کو دوست رکھے اور خدا کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرے۔"

اس سند پر تین لوگوں کی گواہی درج تھی۔[12]

[11] شہید مطہری، داستان راستان، ج:۱، ص: ۱۷۴

[12] کافی، ج:۶، ص:۱۸۱

"مسمع بن عبدالملک" کا کہنا ہے: منیٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ ہم لوگ انگور کھانے میں مصروف تھے، اسی وقت ایک فقیر آیا اور امام علیہ السلام سے مدد کی درخواست کی، امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے انگور کا ایک گچھا دیا، اس فقیر نے وہ گچھا قبول نہ کیا اور بولا: اگر آپ کے پاس نقد رقم ہے تو مجھے دے دیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمہیں عنایت کرے گا۔

وہ فقیر یہ بات سن کر چلا گیا، پھر تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے وہی انگور کا گچھا مانگا، امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمہیں عنایت کرے" انہوں نے اسے کچھ بھی نہیں دیا۔

اس کے بعد ایک اور فقیر آیا اور امام علیہ السلام سے مدد کی درخواست کی، امام علیہ السلام نے اسے انگور کے تین دانے دیئے، اس فقیر نے انگور کے دانے لیتے ہوئے کہا: خدا کا شکر ہے جو کہ تمام عالم کا خالق و پروردگار ہے اور اس نے مجھے رزق عطا کیا۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے اس کے دونوں کو انگور سے بھر دیئے۔

سائل نے لے لیا اور بولا: شکر اس خدا کا جو کہ دنیا کا پالن ہار ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: ٹھہرو، پھر اپنے غلام سے پوچھا کہ کتنے پیسے پاس میں ہیں؟ شاید بیس درہم تھے، وہ بھی فقیر کو دے دیئے۔ فقیر نے کہا: خدا کا شکر ہے، خدایا یہ سب نعمتیں تیری وجہ سے ہیں، تو واحد و یکتا ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رک جاؤ، انہوں نے اپنا وہ لباس جو کپڑوں کے اوپر پہن رکھا تھا، اتارا اور اسے دیتے ہوئے بولے، اسے پہن لو۔ سائل نے پہن لیا اور بولا: خداوند عالم کا شکریہ کہ اس نے مجھے لباس عطا کیا اور اسے پہنایا"۔ پھر اس نے امامؑ کی طرف رخ کرکے کہا: اور خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔"

"مسمع" کا کہنا ہے: ایسا لگتا تھا کہ اگر اس مرتبہ بھی امام کے لئے دعا نہیں کرتا اور صرف خدا کا شکر ادا کرتا تو امام علیہ السلام اور بھی اسے کچھ دیتے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا۔ [۱۳]

[۱۳] کافی، ج: ۴، ص: ۴۹

"مالک بن انس" کا کہنا ہے: حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام، ہمیشہ حالت روزہ و نماز اور ذکر خدا میں مشغول و منہمک رہا کرتے تھے۔امام علیہ السلام کا شمار سب سے بڑے عبادت گذاروں اور زاہدوں میں ہوا کرتا تھا وہ حدیثیں بہت زیادہ بیان کیا کرتے تھے۔ شمع محفل اور مفید و مثمر ہوا کرتے تھے۔ جب بھی بات شروع کرتے تو کہا کرتے: رسول خداؐ نے فرمایا:۔۔ پھر ان کے چہرے کی رنگت بدل جایا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ ان کے ساتھ حج کے سفر پر گیا تھا، میں نے دیکھا کہ احرام باندھتے وقت ان کی حالت اس قدر متغیر ہو گئی کہ لبیک تک نہیں کہہ پا رہے تھے، اس قدر بے چین و مضطرب تھے کہ عنقریب تھا کہ مرکب سے گر پڑتے، میں نے کہا: اے فرزند نبیؐ آپ کو کسی نہ کسی حالت میں زبان پر لبیک تو جاری کرنا ہی ہوگا۔ انہوں نے فرمایا: کیسے جاری کروں، لبیک اللھم لبیک، جب کہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ خداوند عالم میرے جواب میں کہیں یہ نہ فرمادے کہ "لا لبیک ولا سعدیک"[14]۔

---

[14] مجلسی، بحار الانوار، ج: ۴۷، ص: ۱۶

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی ”قتیبہ“ کا کہنا ہے: امام علیہ السلام کے گھر ان کے بیمار صاحبزادے کی عیادت کے لئے ان کے گھر گیا تھا، امام علیہ السلام کو دروازے پر دیکھا کہ غمگین اور افسردہ حالت میں کھڑے تھے، میں نے ان کے صاحبزادے کی خیریت دریافت کی، انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم وہ زندہ نہیں بچے گا“ پھر وہ گھر کے اندر گئے اور تھوڑی دیر بعد باہر آئے، اس مرتبہ ان کے چہرے پر ٹھہراؤاور سکون واطمینان جھلک رہا تھا۔ مجھے امید جاگی اور یہ سوچ کر خوش ہوگیا کہ لگتا ہے ان کے صاحبزادے کی طبیعت ٹھیک ہو گئی ہے۔ ایک مرتبہ پھر میں نے بچے کی خیریت دریافت کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس دنیا سے چل بسا ہے۔

میں نے بڑی حیرانی سے دریافت کیا، آپ کے قربان جاؤں، جب وہ زندہ تھا تو آپ غم واندوہ اور افسردگی کی حالت میں تھے اور اب جب کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے تو آپ غمزدہ و سوگوار نہیں ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم خاندان اہلبیتؑ کے ایسے لوگ ہیں جو کہ مصیبت سے پہلے تشویش کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب قضائے الٰہی وقوع پذیر ہو جاتی ہے تو اس کی رضا پر راضی اور اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔[۱۵]

''حفص بن ابی عایشہ'' سے روایت ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے کسی کام سے اپنے خادم کو باہر بھیجا اسے واپس آنے میں دیر ہو گئی۔ امامؑ اس کا پتہ لگانے اور ڈھونڈنے کے لئے خود ہی باہر تشریف لے گئے، ایک جگہ اسے دیکھا کہ ایک کونے میں لیٹا ہوا گہری نیند میں ڈوبا ہوا ہے۔ امام علیہ السلام اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور بڑے پیار سے اس کے لئے پنکھا جھلنے لگے جب وہ جاگا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم، نہیں ہے تمہارے لئے کہ دن میں بھی اور رات میں سوو! رات تمہارے لئے اور دن ہمارے لئے۔[۱۶]

---

[۱۵] کافی، ج: ۳، ص: ۲۲۵

[۱۶] ابن شہر آشوب، مناقب، ج: ۴، ص: ۲۷۴

''معلّٰی بن قفیس'' کا کہنا ہے: ایک رات تیز بارش ہو رہی تھی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ''ظلّہ بنی ساعدہ'' کی طرف جا رہے تھے۔ وہاں پر سائبان تھا کہ جہاں پر غریب و نادار اور مفلس لوگ جمع ہو کر آرام کیا کرتے تھے۔

میں نے خاموشی سے حضرتؑ کا پیچھا کیا، راستہ میں امام علیہ السلام کے تھیلے میں سے کچھ گرا۔ انہوں نے کہا: بسم اللہ، خدایا زمین پر جو کچھ کہ مجھ سے گرا ہے، وہ مجھے واپس دلا دے۔

میں خود کو ظاہر کرتے ہوئے آگے بڑھا اور سلام کیا۔ انہوں نے فرمایا: معلّٰی یہ تم ہو؟ میں نے کہا: ہاں میرے آقا، فرمایا: دیکھو یہاں پر تلاش کرو اور جو کچھ کہ پاؤ مجھے دے دو، میں نے ڈھونڈا، کچھ روٹیاں ہاتھ لگیں، انہیں امام علیہ السلام کے حوالے کردیں۔ ان کی پشت پر روٹیوں کی گٹھری تھی جو سنگینی کے باعث حضرت کو اذیت دے رہی تھی، میں نے عرض کیا: آپ کے قربان جاؤں، آپ یہ گٹھری مجھے دے دیں میں لیکر چلتا ہوں۔ فرمایا کہ: نہیں، میں اس بوجھ کو اٹھانے کا زیادہ حقدار اور مستحق ہوں، بس تم میرے ساتھ چلو۔

جب ہم لوگ ''ظلہ بنی ساعدہ'' کے سائبان تک پہنچے تو تھکے ہارے غریبوں کی ایک تعداد کو سویا ہوا پایا۔ امام عالیمقام نے سب کے کپڑوں کے اندر ایک دو روٹیاں رکھیں اور کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کو روٹی دینا بھولے ہوں۔ پھر ہم لوگ وہاں سے واپس آگئے میں نے عرض کیا: میں آپ کے قربان ہو جاؤں، کیا یہ سبھی لوگ آپ کے پیروکار شیعہ تھے؟

امام عالیمقام نے فرمایا: اگر وہ میرے پیروکاروں اور شیعوں میں سے ہوتے تو ان کی مدد اور بھی زیادہ کرتا۔[۱۷]

⃝⃝⃝

''ہشام بن سالم'' سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روش یہ تھی کہ رات کے اندھیرے میں اپنی پیٹھ پر گٹھری لاد کر مدینہ کے حاجتمندوں کو روٹی، گوشت اور پیسوں کے ذریعہ مدد بہم پہنچایا کرتے اور یہ چیزیں خود اپنے ہاتھوں سے بانٹا کرتے تھے، یہ ایسی حالت میں تھا کہ حاجتمندوں میں سے کوئی بھی حضرت کو نہیں پہچانتا تھا، جب امام علیہ السلام کی

[۱۷] کافی، ج: ۴، ص: ۸

شہادت واقع ہو گئی اور ان تک مدد پہنچنی بند ہو گئی تب لوگوں کو پتہ چلا کہ یہ ساری امداد، حضرت امام جعفر صادقؑ کی طرف سے دی جاتی تھی۔[۱۸]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک پیروکار صحابی جو کہ ''جبل عامل'' علاقہ میں رہتا تھا، جبل عامل کا علاقہ فی الحال، ''لبنان'' ملک میں واقع ہے، یہ پیروکار اپنے علاقہ کا بہت ہی امیر اور دولتمند آدمی تھا۔ ایک مرتبہ وہ حج کے فرائض کی انجام دہی کے لئے خانۂ کعبہ کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں ''مدینہ منورہ'' سے گذر ہوا اس نے سوچا حضرت کا امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کرتا چلے۔

جب وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت کو دس ہزار درہم دیئے تاکہ وہ اس کے لئے اچھا سا مکان خرید لیں، امام علیہ السلام نے قبول کرتے ہوئے یہ درہم اپنے پاس رکھ لئے۔ جب وہ اعمال حج کی انجام دہی کے بعد واپسی میں مدینہ آیا تو امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر بعد دعا وسلام، پوچھا:

---

[۱۸] مدرک بالا۔

میرے مولا، کیا آپ نے میرے لئے گھر خریدا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، کیا تم چاہتے ہو کہ اس کے کاغذات تمہیں دوں؟ اس نے عرض کیا: ہاں، اے فرزند رسول خداؐ!

امام علیہ السلام نے ایک کاغذ اس کے حوالے کیا جس میں لکھا ہوا تھا جعفر بن محمدؑ نے اس آدمی کے لئے جنت میں ایک ایسا گھر خریدا ہے جو ایک طرف رسول خداؐ کے گھر سے متصل ہے اور دوسری طرف امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے گھر سے متصل ہے اور دوسرے دونوں طرف امام حسن اور حسین علیہم السلام کے گھروں سے متصل ہیں۔

اس آدمی نے تحریر پڑھی، اسے چوما، آنکھوں سے لگایا اور عرض کیا: میں نے قبول کیا اور راضی ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اس گھر کی بابت ملے پیسوں کو سادات اور ضرورتمندوں میں بانٹ دیئے ہیں۔

وہ آدمی یہ سن کر بہت خوش ہوا اور گھر کا کاغذ اٹھا کر ہنسی خوشی وہاں سے چلا گیا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں وصیت کی کہ گھر کے اس کاغذ اور سند کو اس کے کفن میں رکھ دیا جائے۔

جب اس آدمی کا انتقال ہو گیا تو وصیت کے مطابق کفن میں اس کاغذ کو رکھنے کے بعد اس کو دفن کر دیا گیا۔

دوسرے دن لوگوں نے دیکھا کہ اس کی قبر پر لکھا ہوا ہے: "جعفر بن محمد علیہ السلام" نے اپنا وعدہ پورا کیا۔[۱۹]

ایک دن کا واقعہ ہے کہ بنی عباس کے ایک حاکم کو "رفید" نامی اپنے غلام پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اس غلام کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا، رفیعہ یہ خبر سن کر اپنے مالک کی گرفت سے بھاگ کھڑا ہوا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی پناہ میں چلا گیا اور حضرتؑ سے مدد کی درخواست کی۔

---

[۱۹] شہید دستغیب، صدیقہ کبریٰ، فاطمہ زہرا، ص: ۹۹

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ اور اس تک میرا اسلام پہنچادو اور یہ پیغام دے دو کہ فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جعفر بن محمدؑ نے تمہیں پناہ دے رکھی ہے، لہٰذا تمہیں ستایا نہ جائے۔

غلام نے کہا کہ میرا مالک ایک شامی فرد ہے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں، شام کے اکثر لوگ ائمہ علیہم السلام کے مخالف ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ کا پیغام اس تک پہنچادوں تو کہیں مزید غضبناک نہ ہو جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ڈرو نہیں، جاؤ اور جو کچھ کہ میں نے کہا ہے جا کر کہہ دو، غلام اپنے مالک کے گھر کی طرف چل پڑا، صحرا میں ایک عرب سے سامنا ہوا، اس نے پوچھا: کہاں جارہے ہو بندۂ خدا؟! میں تمہارے چہرے پر موت کا مشاہدہ کررہا ہوں۔

اس بات نے غلام کے دل میں مزید ہلچل مچادی اور چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس عرب نے غلام کا ہاتھ پکڑا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا: یہ ہاتھ اس آدمی کا ہے جو عنقریب مارا جانے والا ہے، اس کے بعد غلام کے پیروں کی طرف نگاہ ڈالی اور بولا: یہ جسم ایسے آدمی کا ہے جو موت کی جانب بڑھ رہا ہے۔ پھر غلام کی زبان پر

جا کر نظر تھم گئی اور بولا: موت سے ڈرو نہیں، کیوں کہ تمہاری زبان پر ایسا پیغام ہے کہ اگر اس کو اونچے پہاڑ کو بھی پڑھ کر سناؤ گے تو پورا پہاڑ مطیع اور نرم پڑ جائے گا۔

یہ باتیں سننے کے بعد غلام نے اپنی راہ جاری رکھی اور سرانجام مالک کے گھر تک پہنچا۔ جیسے ہی وہاں پہنچا، اسے پکڑ کر باندھ دیا گیااور امیر نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ جلاد شمشیر برہنہ اور برّاں لیکر اس کے سر پر حاضر ہو گیا تاکہ گردن پر وار کر کے اس کا سر تن سے علیحدہ کر دے۔ آخری لمحات میں غلام نے کہا: اے امیر آپ نے مجھے زبردستی نہیں پکڑا ہے بلکہ میں خود اپنے پیروں سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں کیونکہ ایک ایسی بات ہے جو میں آپ کو تنہائی میں بتانا چاہتا ہوں۔ آپ میری بات سن لیں پھر چاہیں تو بے شک میری گردن اڑا سکتے ہیں۔

اس شامی حاکم نے اپنے آس پاس سے لوگوں کو چلے جانے اور تخلیہ کا حکم دیا، جب کمرہ خالی ہو گیا تو غلام نے کہا: میرے اور آپ کے آقا، حضرت جعفر بن محمد علیہما السلام نے آپ کو سلام کہلا بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ انہوں نے مجھے پناہ دی ہے۔

حاکم جو کہ یہ بات سن کر بہت حیرت زدہ ہو گیا تھا، کچھ دیر تک ہکا بکا رہا اور پھر غلام سے بولا: کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ سچ میں حضرت نے مجھے سلام کہلا بھیجا ہے؟

غلام نے قسم کھائی، حاکم نے یہی سوال دو مرتبہ دہرایا اور غلام کو قسم کھانے کو کہا، غلام نے بھی دو مرتبہ قسم کھائی اور کہا کہ میں نے بالکل سچ بولا ہے۔ امیر نے جو کہ پھولے نہیں سما رہا تھا، فوراً، غلام کا ہاتھ کھولا اور بولا: مجھے تب تک دلی سکون نہیں ملے گا جب تک تم اسی طرح میرا ہاتھ بھی نہ باندھ دو! یہ کہتے ہوئے اس نے غلام کے ہاتھ کھول دیئے اور اپنا ہاتھ بندھوانے کے لئے آگے بڑھایا۔ غلام نے کہا: مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ یہ گستاخی کروں، حاکم نے کہا: جب تک تم ایسا نہ کروگے میں شرمندگی سے باہر نہیں آسکتا ہوں۔

شامی حاکم نے اس قدر اصرار کیا کہ غلام کو مجبور ہو کر اس کے ہاتھ باندھنے پڑے لیکن پھر اس نے فوراً ہی کھول دیئے۔ شامی حاکم نے اپنے ہاتھ سے انگوٹھی نکالی اور اسے دیتا ہوا بولا: یہ میری مہر ہے۔ آج سے میں اپنے سارے کام اور ذمہ

داریوں نیز فرائض کے ساتھ ساری دولت تمہارے حوالے کرتا ہوں، اب آج سے تمہارا جو دل چاہے اپنی مرضی سے کام کر سکتے ہو۔

اس طرح سے غلام نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولایت حاصل کرکے نہ صرف خود کو موت کے چنگل سے چھٹکارا دلایا بلکہ اپنے مالک کے نزدیک سب سے بڑا عہدہ اور مقام و مرتبہ پانے میں بھی کامیاب ہو گیا۔[۲۰]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سچے پیروکاروں اور شیعوں میں سے ایک "نجاشی" نامی پیروکار تھا جو کسی زمانے میں "اھواز" کی حکومت کا سربراہ معین ہوا تھا، اس کا ایک ملازم و کارندہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے نجاشی کی حکومت کے خزانے میں دس ہزار درہم ٹیکس کے بطور ادا کرنے ہیں تاہم اتنی بڑی رقم کی ادائیگی سے معذور ہوں۔ چونکہ نجاشی آپ کے پیروکاروں میں سے اور مؤمن و فرماں بردار انسان ہے، اگر آپ مصلحت سمجھیں تو اسے ایک خط لکھ کر میری مدد کی سفارش

[۲۰] شہید دستغیب، گناہان کبیرہ، ج: ۲، ص: ۱۱۲

کر دیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''نجاشی'' کے نام خط میں لکھا: اپنے بھائی کو خوش کرو تاکہ خدا تمہیں خوش کر دے۔ وہ آدمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مبارک مکتوب لے کر نجاشی کے پاس گیا۔ جب نجاشی کے پاس سے لوگوں کی بھیڑ کم ہوئی اور نجاشی کو اکیلا پایا تب امامؑ کا مکتوب دیتے ہوئے بولا کہ یہ خط مولا امام جعفر صادق علیہ السلام نے دیا ہے۔

''نجاشی'' نے مکتوب لیا، آنکھوں سے لگایا، بوسہ دیا، پھر پڑھا اور پوچھا: تمہاری کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا: آپ کے دفتر نے مجھ پر دس ہزار درہم کا ٹیکس اور خراج منظور اور واجب الاداء کیا ہے کہ جس کو دینے کی میری توانائی و صلاحیت نہیں ہے۔ ''نجاشی'' نے اپنے منشی کو طلب کیا اور حکم دیا کہ اس آدمی کا حساب ڈھونڈ کر نکالو اور اس کے ذمہ جتنا بھی واجب الاداء قرض ہو اسے میرے نام پر لکھ دو۔ یہی نہیں اس کے بعد اس نے یہ بھی حکم دیا کہ اگلے برس کا ٹیکس بھی نجاشی کے حساب میں لکھ دیا جائے۔ پھر نجاشی نے اس آدمی سے پوچھا: کیا میں تمہیں خوش کرنے میں کامیاب ہوا؟ اس نے جواب میں کہا: جی ہاں، بالکل۔

پھر نجاشی نے حکم دیا کہ ایک تیز رفتار گھوڑا، ایک کنیز، ایک غلام اور ایک زربفت لباس دیا جائے، حکم کی تعمیل کے بعد پوچھا: کیا میں تمہیں خوش کرنے میں کامیاب ہو پایا؟ جواب میں، ہاں کی آواز سنی، پھر نجاشی نے اس سے کہا: اس کمرے میں جس قالین پر میں بیٹھا ہوں وہ بھی اٹھالو اور لے کر جاؤ، وہ آدمی خوش خوش نجاشی کے پاس سے رخصت ہوا اور کچھ دنوں بعد مدینہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور نجاشی کے کارناموں اور خدمات سے حضرتؑ کو مطلع کیا، امام علیہ السلام نجاشی کے کام سے بہت خوش ہوئے۔

اس آدمی نے امامؑ سے سوال کیا: کیا نجاشی کے کام نے آپ کو خوشی بخشی؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں، بالکل، خدا کی قسم، اس نے خدا اور اس کے پیغمبر کو بھی خوش کیا ہے۔[۲۱]

[۲۱] مدرک بالا، ص: ۸۸

ائمہ علیہم السلام اپنے شیعوں اور پیروکاروں کو ہمیشہ یہی حکم دیا کرتے تھے کہ جس مقام و مرتبہ پر فائز ہوں اپنے دینی بھائیوں کی خدمت کیا کریں اور ان کی ضروریات کو پوری کرنے میں لگے رہا کریں کیونکہ کہیں ایسانہ ہو کہ ان کے دینی بھائی اپنی ضرورت کی وجہ سے مجبوری اور دباؤ میں آکر غاصب اموی یا عباسی ستمگر حکومتوں کے ہاتھ کا کھلونا بن کر دشمن کی خدمت میں لگ جائیں۔

ایک جوان بنی امیہ حکومت کے ملازمین میں سے تھا، ایک دن اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حامی و پیروکار، علی بن ابی حمزہ، سے ملاقات کرکے ان سے درخواست کی کہ امام عالیمقام سے ملاقات کی اجازت طلب کریں وہ ان سے ملنا چاہتا ہے۔

امام علیہ السلام نے اسے ملاقات کی اجازت دیدی، وہ جوان امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میں بنی امیہ کے دیوان میں کام کرتا ہوں اور اس ذریعہ سے دولت بھی بہت زیادہ کمائی ہے، تاہم اس دولت کے حصول میں حلال و حرام کا

لحاظ نہیں رکھا ہے اب اپنے کئے پر پچھتا رہا ہوں، غلطیوں پر نادم ہونے کے ساتھ ہی توبہ کرنا چاہتا ہوں، آپ بتائیں کہ میں کیا کروں؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم اور تم جیسے لوگ بنی امیہ کے دربار میں خدمت نہیں کرتے، ان کے لئے ٹیکس وصول نہ کرتے، ان کا حساب کتاب نہ لکھتے، مال غنیمت نہ لیتے، ان کی خاطر جنگ کو نہ جاتے اور ان کی جماعت میں شریک نہ ہوتے تو وہ ہم اہلبیت کا حق ہرگز غصب نہ کرپاتے، اگر لوگوں نے ان کا ساتھ نہ دیا ہوتا تو وہ ہرگز مال دنیا پر دسترسی حاصل نہ کرپاتے۔

وہ جوان جو بہت ہی نادم و پشیماں تھا اور عرق انفعال اس کی پیشانی پر دکھائی دے رہا تھا گویا ہوا: میرے مولا و آقا، کیا اس راہ سے گلوخلاصی کا امکان ہے کہ جس کو میں عملی جامہ پہنا سکوں؟

امام عالیمقام نے فرمایا: اگر کہوں تو اس پر عمل کروگے؟ اس نے کہا: ہاں یابن رسول اللہ ضرور عمل کروں گا۔

امام عالیمقام نے فرمایا: جو بھی دولت اس راہ سے کمائی ہے، اس سے چشم پوشی کرلو، جس کسی سے بھی اس کا مال لیا ہے، اگر پہچانتے ہو تو اس کا حق اس کو لوٹا دو اور اگر کسی کو نہیں پہچانتے تو ان کے مال کو ان کی طرف سے راہ خدا میں صدقہ کردو تب میں تمہاری ضمانت کروں گا کہ خداوند عالم تمہیں جنت میں جگہ دے گا!

جوان نے امام علیہ السلام کی بات بغور سنی، تھوڑی دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا، پھر سر اٹھا کر بولا: میں آپ پر قربان جاؤں میرے مولا: آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔

جوان، اپنے ہمراہی "علی بن ابی حمزہ" کے ساتھ کوفہ چلا گیا، اس نے اپنے تمام مال و اسباب فروخت کردیئے، جس کا جو حق تھا اور معلوم تھا، انہیں لوٹا دیا اور باقی مال و اسباب بھی راہ خدا میں صدقہ کردیا، نوبت یہاں تک آگئی کہ اس کے پاس اپنے لئے بھی کچھ نہ بچا، کچھ شیعوں نے پیسہ چندہ کرکے اس کے لئے کپڑا خرید کردیا تاکہ وہ پہن سکے۔

کچھ مہینوں بعد وہ جوان بیمار پڑ گیا۔ ایک دن ”علی بن ابی حمزہ“ اس کی عیادت کو گئے، دیکھا کہ جوان اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہے اور آخری سانسیں لے رہاہے، جوان نے آنکھیں کھولیں اور ”علی بن ابی حمزہ“ کو دیکھ کر بولا: خدا کی قسم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی شرط اور وعدے کو پورا کر دیا۔

کچھ دیر بعد جوان دنیا سے رخصت ہو گیا، علی اور ان کے دوستوں نے اس کو غسل و کفن دینے کے بعد دفن کر دیا۔ کیونکہ جوان کے پاس اس بابت کوئی رقم ہی نہ تھی کہ اس کے پیسوں سے ان سب چیزوں کا بندوبست کیا جاتا۔ کچھ دنوں بعد ”علی بن ابی حمزہ“ مدینہ آئے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے، انہیں دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”خدا کی قسم“ میں نے اس جوان سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا کر دیا ہے، علی نے عرض کیا، مولا، آپ پر میری جان قربان، آپ بالکل صحیح فرماتے ہیں، خود جوان نے احتضار کے موقع پر مجھے یہ بات بتائی تھی۔[۲۲]

---

[۲۲] مدرک بالا، ص: ۶۴

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خداوند عالم نے معین فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل'' اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے چارسوبرسوں تک فرعونیوں کے چنگل میں پھنسے رہیں گے۔ جب دوسو تیس برس فرعونیوں کی حکومت کے گذر گئے اور لوگ ان کے ظلم و ستم اور زیادتیوں سے جاں بلب ہوگئے تو انھوں نے چالیس دنوں تک درگاہ خداوندی میں گریہ وزاری اور توبہ و استغفار کئے۔ اسی لئے پروردگار عالم نے ''موسی وہارون'' (علیہم السلام) کو وحی فرمائی: ''میں نے بنی اسرائیل کو فرعون کے عذاب سے نجات دے دی ہے۔''

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت پر مبعوث ہوئے اور لوگوں کے چارسوبرس کے عذاب کو باقیماندہ ایک سوستر برس معاف کردیئے گئے۔

یہ بات بتانے کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اسی طرح آپ شیعہ حضرات بھی اگر بنی اسرائیل کی مانند درگاہ خداوندی میں گریہ و زاری کریں گے اور حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور کی درخواست کریں گے تو خداوند عالم حضرت کے ظہور میں تعجیل فرمائے گا اور اگر

ایسا نہیں کریں گے تو یہ پریشانیاں اس وقت تک جب تک کہ خداوند عالم نے مقرر کر رکھی ہیں، یونہی برقرار رہیں گی۔"[23]

''حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک خدمت گذار تھا کہ امام علیہ السلام جب بھی مسجد جایا کرتے اسے اپنے ساتھ لیجایا کرتے تھے، جب حضرت مسجد میں داخل ہوتے تو اپنا گھوڑا اس کے حوالے کر دیا کرتے اور خود مسجد کے اندر چلے جاتے تھے۔ خدمت گذار بھی مسجد کے باہر کھڑا رہتا جب تک امام علیہ السلام واپس نہ آجاتے، اتفاق سے ایک دن جب خدمت گذار معمول کے مطابق گھوڑے کی لگام ہاتھ میں تھامے مسجد کے باہر بیٹھا تھا، کچھ مسافر جو کہ خراسان کے شیعہ تھے، وہاں سے گذرے، ان میں سے ایک نے خدمت گذار سے مخاطب ہو کر کہا: میں ایک امیر[4] آدمی ہوں، میرے پاس بہت زیادہ دولت ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ وہ ساری دولت تمہارے حوالے کر دوں؟"

---

[23] شہید دستغیب، قیامت وقرآن، ۱۳۲

خادم نے کہا: ہاں کیوں نہیں، اس آدمی نے کہا: اگر تم امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ کہو کہ تمہیں آزاد کرکے مجھے تمہاری جگہ خدمت گذاری پر مقرر و ماموٗر کردیں تو میں اپنی تمام دولت تمہارے حوالے کردوں گا۔

خادم نے خوش ہو کر کہا کہ ٹھیک ہے میں ابھی جاکر اپنے مولا سے ایسی درخواست کرتا ہوں۔

خادم امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''میرے مولا میں آپ پر قربان جاؤں، میری خدمات کے سلسلہ میں آپ اچھی طرح واقف ہیں۔اگر خداوندعالم مجھے کوئی نعمت عطا کرنی چاہے تو کیا آپ اسے مجھ تک پہنچنے سے روکیں گے؟'' حضرتؑ نے فرمایا: بالکل نہیں۔

خادم نے مسجد کے باہر منتظر خراسانی شیعہ کا واقعہ اور اس کی تجویز کے بارے میں امامؑ کو بتایا، امامؑ نے اس کی بات سننے کے بعد فرمایا: ''اگر تمہیں میری خدمت گذاری کی اب خواہش نہیں رہی اور وہ آدمی میری خدمت کا خواہشمند ہے تو کوئی بات نہیں، میں اس کو قبول کرتا ہوں اور تمہیں آزاد کرتا ہوں، وہ خادم جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ امامؑ نے اسے رکنے کو کہا اور فرمایا: چونکہ تم نے کافی عرصہ

تک میری خدمت کی ہے، اس لئے جانے سے پہلے تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں، میری بات غور سے سنو اور پھر اس کے بعد جیسی تمہاری مرضی ہو ویسا ہی کرو۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور الٰہی سے متصل ہوں گے اور امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام بھی رسول خداؐ سے متصل ہوں گے اور ائمہ علیہم السلام بھی دامن امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام پکڑے ہوں گے اور اسی طرح شیعہ بھی ائمہ علیہم السلام سے متصل ہوں گے، بنابریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں کہیں بھی جائیں گے، یا جہاں کہیں بھی داخل ہوں گے اور ہم بھی وہیں جائیں گے یا داخل ہوں اور ہماری پیروی میں ہمارے شیعہ بھی وہیں جائیں گے۔ امام عالیمقام کی باتیں سننے کے بعد خادم نے عرض کیا: میں آپ کے پاس ہی خدمت گزاری میں رہوں گا اور دنیا کے بجائے آخرت کو ترجیح دوں گا۔ خادم کو خراسانی شیعہ نے دیکھنے کے بعد کہا: جب تم یہاں سے گئے تھے تو تمہاری حالت و کیفیت کچھ اور تھی لیکن اب جبکہ واپس آئے ہو تو حالات کچھ اور ہی نشاندہی کر رہے ہیں۔

خادم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس نصیحت کو خراسانی کے گوشگزار کیا جو انہوں نے فرمائی تھی، پھر خادم خراسانی شیعہ کو امام علیہ السلام کے پاس لے گیا، امامؑ بھی اس خراسانی کی محبت کے جذبے سے خوش ہوئے اور اسے اپنی طرف سے ایک ہزار دینار تحفہ عنایت فرمایا۔[۲۴]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک قافلہ کے ہمراہ سفر حج کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں اچانک خونخوار شیر نمودار ہوا اور اس نے قافلہ کا راستہ روک لیا کیونکہ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھتا۔ ایسے موقع پر امامؑ آگے بڑھے اور شیر کو اشارہ فرمایا۔

شیر نے اپنا سر جھکایا اور قافلہ کے راستہ سے ہٹ گیا۔

[۲۴] شہید دستغیب، قلب سلیم، ج:۱، ص: ۳۳۳

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم لوگ بھی گناہ نہ کرتے تو ایسے ہی ہوتے۔ (یعنی جانور بھی تمہاری اطاعت کرتے)[۲۵]

"محمد بن عبداللہ اسکندری" خونخوار عباسی خلیفہ "منصور" کے پاس آکر بولا: میں مدینہ سے آرہا ہوں اور جعفر بن محمد (علیہما السلام) کے اس راز سے باخبر ہوا ہوں کہ انہوں نے اپنے خادم "معلی بن خنیس" کو تمہارے خلاف بغاوت کرنے اور حکومت ہتھیانے کی خاطر، وسائل حرب، ہتھیار وغیرہ ذخیرہ کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ اس کام میں لگ گیا ہے۔

منصور نے فی الفور طور پر اپنے مقرر کردہ مدینہ کے گورنر "داؤد" کو جو کہ اس کا چچا بھی تھا، ایک خط لکھ کر حکم دیا کہ جتنی جلدی ہوسکے، امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر پر حملہ کرکے انہیں گرفتار کرلے اور بغداد روانہ کردے۔

---

[۲۵] شہید دستغیب، استعاذہ، ص: ۲۱۱۔

جب امام علیہ السلام کو گرفتار کرکے منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے شاکیانہ لہجے میں پوچھا کہ میرے خلاف بغاوت کی کوشش کیوں کی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر اس طرح کی کوئی خبر تم تک پہنچائی گئی ہے تو وہ سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔

منصور نے کہا: کیا اس کی تردید و تکذیب میں قسم کھانے کو تیار ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: ہاں میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔

منصور نے کہا: تو پھر طلاق و عتّاق کی قسم کھائیں۔

فرمایا: میں شرعی قسم کھا سکتا ہوں کہ جس کو تم قبول نہیں کروگے، پھر میں غیر شرعی قسم کیوں کھاؤں؟

منصور غصہ میں آگیا اور بولا: کیا میرے سامنے عقلمندی کی گستاخی کر رہے ہو؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم علم کے خزانہ اور اہل قرآن ہیں، قرآن ہمارے گھر میں نازل ہوا ہے اور علم کی حقیقت ہمارے پاس ہے۔

منصور نے کہا: اب جب کہ ایسا ہے تو میں اس آدمی کو ابھی حاضر کرکے اصلیت ظاہر کرتا ہوں، جس نے کہ یہ خبر مجھے دی ہے۔ محمد بن عبداللہ اسکندری، جس نے کہ چغلی کی تھی حاضر ہوااور اس نے جو الزامات لگائے تھے، اس کاایک بار پھر اعادہ کیا۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: کیا تم قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے بغاوت کی غرض سے ہتھیار اکٹھا کئے ہیں؟

اس نے کہا: ہاں کھا سکتا ہوں، قسم اس خدا کی، کہ جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، خدا وہ زندہ و بیدار ہے......

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، اس طرح کی قسم قابل قبول نہیں ہے۔

منصور نے پوچھا: ایسا کیوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا، کریم و رحیم ہے، اگر اسے کوئی جمال کے ناموں سے پکارے تو ممکن ہے کہ اس پر اس کی رحمت نازل و شامل ہو جائے اور اس طرح کی قسم سے حق ظاہر نہ ہوسکے، اس کو اس طرح قسم کھانی ہوگی، اگر میں

جھوٹ بولوں تو خدا کے حول و قوۃ محروم و خارج ہو جاؤں اور اپنے حول و قوۃ میں شامل ہو جاؤں۔

محمد بن عبداللہ اسکندری نے جیسا کہ امام نے فرمایا تھا، قسم کھائی، لیکن جیسے ہی قسم کے جملے پورے ہوئے وہ زمین پر گرا اور مر گیا، منصور نے جو کہ یہ ماجرا دیکھ کر بہت زیادہ ڈر گیا تھا، امام علیہ السلام کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا اور آپ سے معافی بھی مانگی۔[۲۶]

○○○

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ایک مکار اور حیلہ باز آدمی تھا جس نے کہ ایک دن اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ وہ کہا کرتا تھا: ''تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ''اللہ خالق اور پیدا کرنے اور وجود میں لانے والا ہے، تو میں بھی خالق ہوں''۔

---

[۲۶] شہید دستغیب، ولایت، ص:۹۱

یہ کہنے کے بعد ایک برتن میں تھوڑی مٹی، کیچڑ اور پانی ڈالا کرتا، کچھ دنوں بعد گندگی کی وجہ سے اس میں کیڑے پیدا ہو جاتے تھے، پھر وہ کہا کرتا: ''میں نے کیڑوں کو پیدا کیا ہے، خداوند عالم تو نو مہینوں بعد ماں کے پیٹ سے بچے کو پیدا کرتا ہے۔ لیکن میں صرف کچھ دنوں میں ہی مخلوق کو وجود میں لاتا ہوں۔''

کچھ نادان اور بھولے بھالے لوگوں نے اس کی بات پر یقین بھی کر لیا تھا اور یہ چیز باعث ہوئی تھی کہ خداوند عالم کی بہ نسبت ان کے عقیدے میں کمی اور اسی کے ساتھ شک و شبہ پیدا ہو گیا تھا۔

صادق آل محمد علیہم السلام کو خبر دی گئی کہ ایک دھوکے باز آدمی ہے جو اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے نیز یہ کہ خالی برتن میں مخلوق کو وجود میں لاتا اور خلق کرتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے کہو کہ برتن میں وجود میں لانے والے جانوروں کے سلسلہ میں دو کام کرے، اگر وہ اس امر میں کامیاب ہو گیا تو میں بھی اس کی تصدیق و تائید کر دوں گا۔

سب سے پہلے تو اس سے یہ پوچھیں کہ اس نے اب تک کتنی مخلوق پیدا کی ہے، دوسرے اس سے یہ کہیں کہ اگر تو خالق ہے تو تجھے اپنی مخلوق پر مکمل تسلط حاصل ہونا چاہیئے اور انہیں بھی تیرے احکام وفرامین کا مطیع و تابع ہونا چاہیئے۔ بنابریں وہ کیڑے کہ جن کی تخلیق کا دعویٰ کرتا ہے، وہ جس طرف بھی جائیں، انہیں حکم دے کہ تیرے حکم سے وہ اپنا راستہ اور سمت بدل کر دوسری طرف جائیں۔ یہ باتیں اس دھوکے باز کو بتائی گئیں، اس نے جو کہ بالکل سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لوگ اس طرح کا سوال کریں گے، جواب دیا: تمہیں اس سے کیا مطلب کہ میں نے کتنی مخلوق کو پیدا کیا ہے؟

لوگوں نے اس سے کہا: ''تم کیسے خالق ہو کہ اب تک تم نے کتنی مخلوق پیدا کی ہے، یہ بھی نہیں جانتے ہو؟''

پھر اس سے کہا گیا کہ: ''تم نے جو مخلوق پیدا کی ہے ان سے کہو کہ جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں، اس کے مخالف سمت میں جائیں۔ وہ آدمی جو لاچار ہو چکا تھا، بولا: یہ میرے بس میں نہیں ہے کہ انہیں اپنی مرضی سے حرکت پر مجبور کر سکوں۔

میں نے انہیں پیدا تو کیا ہے لیکن وہ خود ہی حرکت کرتے ہیں اور میری باتوں پر توجہ نہیں دیتے ہیں۔"

لوگ جو کہ اس کی مکاری و عیاری سے واقف ہو گئے تھے، اس کے آس پاس سے دور ہونے لگے اور اسے خود سے الگ تھلگ کر دیا۔ اس طرح سے حضرت امام جعفر صادقؑ ایک بار پھر لوگوں کی مدد کے لئے آگے بڑھے، ان کے کام آئے، ان کی ہدایت کی اور انہیں گمراہ ہونے سے بچالیا۔[۲۷]

ائمہؑ ھدیٰ علیہم السلام کے پیروکاروں اور چاہنے والوں کی ایک تعداد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے فرزند رسول خداؐ، آپ کے والد محترم کے زمانے میں ہم اپنی پریشانیوں اور علمی مسائل کو ان کی خدمت میں پیش کیا کرتے اور وہ ہماری داد رسی کیا کرتے تھے، اسی طرح ان کے بعد آپ ہمارے مسائل کو حل کیا کرتے ہیں اور آپ سے مکمل طور

[۲۷] شہید دستغیب، آدابی از قرآن، ص: ۲۹۵

پر ہم اطمینان بھی حاصل کرتے ہیں، لیکن یہ بتائیں کہ آپ زیادہ قابل و عاقل ہیں یا آپ کے والد آپ سے زیادہ عاقل و قابل تھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے والد مجھ سے زیادہ قابل و عاقل تھے۔ تاہم میرے والد کا علم ابھی میرے پاس ہے۔[۲۸]

نیز یہ بھی روایت ہوئی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک پیروکار نے امام علیہ السلام سے ایک ایسی بات اور کلام سنا کہ جس سے اس کو بہت تعجب ہوا، اس نے کہا: اے فرزند رسول خداؐ، یہ کلام اور قول تو بہت ہی گرانقدر گوہر ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ کلام گوہر سے بھی بہتر ہے، کیونکہ گوہر پتھر سے بڑھ کر نہیں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ کلام بہت مفید ہو۔[۲۹]

---

[۲۸] اعلام الوریٰ، ص: ۳۹۷

عمروبن نعمان، نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے چاہنے والوں میں سے ایک ایسا بھی شیدائی تھا جو کہ تاجر ہونے کے ساتھ بہت زیادہ امیر بھی تھا، وہ جب بھی مدینہ آتا، امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوتا اور ان سے اظہار محبت و احترام اور عرض ادب کیا کرتا تھا، ہر جگہ حضرت کے ساتھ جایا کرتا اور کبھی بھی ان سے الگ نہیں ہوتا تھا۔

ایک دن وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ بازار سے گذر رہا تھا اور اس کے پاس ایک نوکر بھی تھا کہ جس کا تعلق ہندوستان سے تھا، چلتے چلتے اس نے مڑ کر دیکھا اور کسی کام کی وجہ سے اسے پکارا لیکن وہ اس کے پاس نظر نہیں آیا، تین مرتبہ اس کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا کیونکہ نوکر ذرا پیچھے رہ گیا تھا، چوتھی مرتبہ جب نوکر کو دیکھا تو غصہ میں آکر بولا: حرامزادے، تو کہاں تھا؟

---

[۲۹] انوار البھیہ، ص: ۱۵۲۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس کی بات کو سن کر اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئے اور اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر اظہار افسوس کیا اور اس تاجر کو مخاطب کرکے فرمایا: تم نے اس نوکر کو گالی دی اور اس کی ماں پر زناکاری کا الزام لگایا ہے، میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم ایک اچھے اور متقی انسان ہو، لیکن دیکھ رہا ہوں کہ الزام لگاتے ہو اور گالی گلوج بھی کرتے ہو!

اس تاجر نے عرض کیا: مولا میں آپ پر فدا ہو جاؤں، اس کی ماں مسلمان تو ہے نہیں، سندھ علاقہ کی ایک عورت ہے جو کہ مشرک ہے امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر قوم و ملت کا شادی کے سلسلہ میں اپنا قانون و رواج ہوتا ہے تاکہ زناکاری سے روک تھام کی جائے؟ ان کی اولادوں کو زنازادہ یا حرام زادہ نہیں کہنا چاہیئے! میری نظروں سے دور رہو جاؤ کہ اس طرح کا بدزبان و بدکلام آدمی میرا محب اور پیروکار نہیں ہو سکتا!

راوی کہتا ہے: "اس دن کے بعد پھر میں نے اس آدمی کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے آس پاس نہیں دیکھا۔"[30]

حضرت صادق آل محمد علیہم السلام لوگوں کے درمیان اور عوامی اجتماع میں آراستہ و پیراستہ اور شایان شان اچھا لباس زیب تن کیا کرتے تھے تاہم خصوصی زندگی اور گھر میں کھردرے اور گاہے پیوند لگے کپڑے پہنا کرتے تھے، ایک دن امام علیہ السلام کا ایک پیروکار آپ کے بیت الشرف پر آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو دیکھا کہ امام عالیمقام نے ایسا پیراہن پہن رکھا ہے جس کے گریبان پر پیوند لگا ہوا ہے، اس آدمی نے کئی مرتبہ حضرت کے کپڑے کو بغور دیکھا، حضرت متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم نے میری طرف اپنی نظریں کیوں گڑا رکھی ہیں؟ اس آدمی نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ، آپ کے پیراہن مبارک کے گریبان پر جو پیوند لگا ہے، اسے دیکھ رہا ہوں۔

---

[30] کافی، ج: ۴، ص: ۱۵۔

امام علیہ السلام کے سامنے ایک کتاب کھلی رکھی تھی، حضرتؑ نے اس آدمی کو مخاطب کرکے فرمایا: اس صفحہ کو دیکھو اور جو کچھ کہ اس پر لکھا ہوا ہے، پڑھو: اس آدمی نے کھلی ہوئی کتاب کے صفحہ پر نگاہ ڈالی، اس پر لکھا ہوا تھا:

"جس کے پاس حیا نہیں، اس کے پاس ایمان نہیں، جو حساب کتاب نہیں رکھتا، اس کے پاس مال نہیں رہ سکتا ہے۔ جس کے پاس پرانا نہ ہو، اس کے پاس نیا نہیں رہ سکتا۔"

امام علیہ السلام نے اس آدمی سے فرمایا: نئے کپڑوں کو پرانے کپڑوں کے ساتھ محفوظ رکھنا چاہیئے۔[۳۱]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک پیروکار اور چاہنے والے سے ملاقات کی اور اس کے کام کے بارے میں پوچھا:

---

[۳۱] انوار البھیہ، ص: ۱۶۲۔

مرد نے کہا: مجھ سے کوئی کام بن نہیں پڑتا، میں دیکھتا ہوں کہ لوگ پریشان ہیں، میرے پاس دولت نہیں ہے کہ جس سے لوگوں کی مدد کروں، مجھے کوئی ایسا راستہ بھی نہیں سوجھ رہا ہے کہ انہیں پریشانی سے نجات دلا سکوں، میں صرف ایک کام کرنے پر قادر ہوں اور وہ یہ کہ لوگوں کے ساتھ باتیں کروں، انہیں نصیحتیں کروں، رہنمائی کروں اور لوگوں کو خداوند عالم کے وعدے پر جو کہ اس نے اچھے لوگوں کے لئے کیا ہے،امید دلاؤں، اولیاء اللہ کی سادگی پسندانہ زندگی کی مثالیں دیتا ہوں اور ساتھ میں ان کا حوصلہ بھی بڑھاتا ہوں، بڑی اور مثالی ہستیوں کی پریشانیوں اور مصائب وآلام کا ذکر کرکے ان کے دکھوں اور غموں پر مرہم رکھتا ہوں۔ آپ کے بیانات اور کلام کو سنا کر انہیں اچھائی کی دعوت دیتا ہوں، اس کے علاوہ اور میں کچھ نہیں کرسکتا ہوں اور مجھ سے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بہت اچھی بات ہے، خداوند عالم کسی سے بھی اس کی طاقت وتوانائی سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا ہے کیا تم کلام اور خطابت کو کمتر اور حقیر شمار کرتے ہو جب کہ یہی کلام پیغمبروں، بزرگ فلاسفہ و حکماء اور خدا کے

چاہنے والوں کا اصلی سرمایہ تھا کہ جس کے ذریعہ حق و حقیقت اور راستگوئی کی باتیں کرتے تھے۔ خداوند عالم نے اپنے کسی بھی نبی و رسول کو لوگوں کی ہدایت و قیادت کے لئے سونے چاندی کے سکوں بھرے تھیلیوں سمیت نہیں بھیجا ہے۔ ان کا ذریعہ و وسیلہ وہی کلام و گفتگو تھا۔ بلکہ اس سے بھی بالاتر یہ کہ خداوند عالم نے اسی کلام کے ذریعہ لوگوں کو مخاطب قرار دیا ہے، کلام کے ذریعہ اپنی نشانیاں اور راہنمایاں بیان کی ہیں۔ حق اور سچا کلام بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اس کی قدر کو سمجھو اور اس بابت خدا کا شکر بجالاؤ، نہ یہ کہ دیگر طاقتوں اور وسائل کے نہ ہونے سے رنجیدہ و غمگین ہو۔[۳۲]

سرّاج نامی شخص جو کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے خدمتگزاروں میں سے تھا، کہتا ہے: جب امام علیہ السلام "حیرہ" میں تھے، مجھے اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ ایک کام کے لئے بھیجا۔ ہم گئے اور رات ہونے پر تھکے ماندے واپس

[۳۲] روضہ کافی، ج:۱، ص:۲۷۶۔

آئے۔ میں تھکن کے باعث بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کمرے میں داخل ہوئے اور فرمایا: میں خود ہی تمہارے پاس چلا آیا۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور امام علیہ السلام بھی بستر کے ایک کونے پر بیٹھ گئے اور جس کام کی انجام دہی کے لئے ہمیں ذمہ داری سونپی تھی اس کے بارے میں پوچھا، میں نے بھی اپنی کارکردگی کی رپورٹ دی اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اس کے بعد ایک گروہ کی بات نکلی اور میں نے عرض کیا: میرے مولا و آقا! ہم ایسے لوگوں سے بیزاری و دوری اختیار کریں تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہمارے عقیدے سے الگ اور مختلف ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ ہم سے محبت کرتے ہیں، ہمارے چاہنے والوں میں سے ہیں، لیکن چونکہ ان کا عقیدہ تمہارے عقیدے سے میل نہیں کھاتا اس لئے تمہیں ان سے بیزاری و دوری کرنی چاہیئے؟

میں نے جواب دیا: جی ہاں، امام علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے بھی کچھ ایسے عقائد ہیں جو کہ تمہارے نہیں ہو سکتے ہیں۔ تو کیا یہ صحیح ہے کہ ہمیں تم سے بیزاری اختیار کرنی چاہیئے؟ میں نے عرض کیا: نہیں یابن رسول اللہ۔

حضرت نے پھر فرمایا: خداوند عالم کے پاس کچھ ایسے حقائق ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ تو ایسی صورت میں تم کیا سوچتے ہو کہ خداوند عالم ہمیں خود سے الگ کر دے گا؟

میں نے عرض کیا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ میری جان آپ پر قربان ہو میرے آقا! اب پھر کبھی ان سے بیزاری اختیار نہیں کروں گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مسلمانوں سے محبت کرو اور ان سے دوری اختیار نہ کرو۔ ایمان کے الگ درجات و مراتب ہیں۔ کسی کے پاس اس کا ایک درجہ اور حصہ ہے تو کسی کے پاس دو حصہ اور کچھ لوگ ایسے بھی کہ جن کے پاس سات درجے یا حصے ہوتے ہیں۔ جس کی سمجھ اور توانائی چوتھے درجہ کی ہے وہ ساتویں درجے کے مراتب پر فائز آدمی جیسا عمل نہیں کر سکتا ہے اور خداوند عالم نے طاقت سے زیادہ مالا یطاق فریضہ عائد نہیں کیا ہے۔ اب میں تمہیں مثال دے کر

سمجھا تا ہوں۔ ایک مسلمان کے پڑوس میں عیسائی رہا کرتا تھا، اس مسلمان نے عیسائی کو اسلام لانے کی دعوت دی۔ اس نے اسلام کو بہترین شکل میں پیش کیا اور وہ عیسائی مسلمان ہو گیا۔ پھر وہ سحر کے وقت اس کے پاس گیا، اسے نیند سے اٹھایا اور بولا: وضو کرو، کپڑے پہنو اور میرے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد چلو، اسے مسجد لے کر گیا، دونوں نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد مستحبات بجالائے یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ نو مسلم نے مستحبات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر جانا چاہا تو اس مسلمان نے اسے روکتے ہوئے کہا: کہاں جارہے ہو؟ دن بہت چھوٹا ہوتا ہے، اس لئے ظہر کا وقت بہت جلد ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور جب ظہر کا وقت ہو گیا تو دونوں نے نماز پڑھی۔ پھر مسلمان آدمی نے کہا: دیکھو ابھی ظہر اور عصر میں زیادہ فرق اور فاصلہ نہیں رہ گیا ہے۔ اس نو مسلم کو نماز عصر بجالانے تک اپنے پاس روکے رکھا اس کے بعد جب نو مسلم اٹھنے لگا تو اس نے روک دیا اور کہا: اب تو دن ختم ہونے میں زیادہ وقت نہیں بچا ہے، بس غروب کا وقت ہونے والا ہے۔ اس کو نماز مغرب تک روکے رکھا پھر ساتھ میں نماز مغرب ادا کی، اس کے بعد کہا: ایک اور نماز رہ گئی ہے، رک جاؤ اسے بھی

پڑھ ہی لیتے ہیں۔ پھر عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہو گئے۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ مسلمان آدمی، نو مسلم کے گھر آیا اور بولا: چلو اٹھو چل کر نماز پڑھتے ہیں:

اس نو مسلم نے جواب دیا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور میرے بیوی بچے ہیں کہ جن کی ذمہ داری میرے اوپر ہے، تم کسی ایسے آدمی کو جا کر ڈھونڈو جو مجھ سے بھی زیادہ بیکار آدمی ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس نے اچھی اور نیک نیت کے تحت اسے مسلمان کیا اور نیک نیّت کے ساتھ ہی، تاہم انتہا پسندی اور کثرت پسندی کی وجہ سے اسے مسلمان ہونے سے بیزار کر دیا۔ ہر چیز اور کام کا ایک اندازہ اور حد ہوا کرتی ہے۔[۳۳]

[۳۳] کافی، ج: ۳، ص: ۷۱

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے لوگوں نے کہا: ایک آدمی ہے جو کہتا ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر زیادہ تر وقت نماز اور روزہ اور عبادتوں میں گذارتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھے رزق عطا کرے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔

نیز یہ بھی روایت کی گئ ہے کہ ایک آدمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”دنیا کی طلب میں کوشاں رہتا ہوں اور اسے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہوں“۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: حاصل کرکے اس کا کیا کرنا چاہتے ہو؟

اس آدمی نے عرض کیا: تاکہ خود کو، اپنے گھر کے افراد اور خاندان والوں کو سکون وآسائش دے سکوں، انہیں اپنی ذات سے فائدہ پہنچاؤں اور اسی طرح دوسروں کو بھی مدد پہنچاؤں اور خانۂ خدا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یہ دنیا کی خواہش و طلب نہیں بلکہ آخرت کی خواہش و طلب ہے۔[34]

تین عباسی خلفاء، منصور، مہدی اور ہارون رشید کے زمانے میں خزانہ دار کی حیثیت سے کام کرنے والے ’’عبداللہ بن سنان‘‘ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سچے پیروکاروں اور محبین میں شمار کیا جاتا تھا کہ جن پر امام علیہ السلام بھی بہت بھروسہ کرتے تھے۔ ان کے حوالے سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دن میں امام عالیمقام کی خدمت میں مسجد میں شرفیاب ہوا، حضرتؑ اس وقت نماز عصر سے فارغ ہونے کے بعد، جانب قبلہ رخ کرکے بیٹھے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول خداؐ، کچھ ایسے مملکتی اہلکار اور حکام ہیں جو اپنی پونجی اور سرمایہ میرے پاس بطور امانت رکھواتے ہیں حالانکہ مجھے پتہ ہے کہ انہوں نے شرعی حصص ادا نہیں کئے ہوتے ہیں، کیا ایسی صورت میں ہمیں ان کی امانت لوٹا دینی چاہیے؟

---

[34] محمود منشی، صادق آل محمد، ص: ۱۴۲

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "حق کی ادائیگی ان کا فریضہ ہے۔ تاہم امانت کا مسئلہ اس سے الگ ہے، خدا کی قسم، اگر "ابن ملجم" نے جو کہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا قاتل ہے کہ اس پر خدا کی دائمی لعنت ہو، اپنی کوئی امانت میرے پاس رکھی ہوتی تو بطور امانت اسے رکھنا میرا فرض تھا، پھر جب بھی وہ اپنی امانت مانگتا میں اسے واپس کر دیتا"۔[۳۵]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک پیروکار نے روایت کی ہے کہ ایک دن امامؑ نے سکّوں سے بھری ایک تھیلی میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے فلاں ہاشمی کو جا کر دے آؤں، لیکن اسے یہ نہ بتاؤں کہ یہ رقم کس نے دی ہے۔

وہ تھیلی میں نے لے جا کر اس ہاشمی شخص کے حوالے کر دی، وہ بہت ہی خوش ہوا اور بولا: خداوند عالم اس ناشناختہ آدمی کو جس نے کہ یہ رقم دی ہے، جزائے خیر

[۳۵] پند تاریخ، ج:۱، ص:۲۰۹۔

عطا کرے۔ وہ ہمیشہ ہی میرے لئے مالی امداد بھیجا کرتا ہے اور اسی کے سہارے میری زندگی بھی چلا کرتی ہے، لیکن اس کے باوجود، جعفر بن محمد علیہما السلام، جو کہ میرے رشتہ دار ہیں، ذرہ برابر بھی میری مدد نہیں کرتے ہیں اور یہ ایسی حالت میں ہے کہ مالی لحاظ سے ان کی حیثیت اتنی مضبوط ہے کہ اگر چاہیں تو میری مدد کر سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایسا نہیں کرتے۔[۳۶]

اہل سنت والجماعت کے ایک مسلک کے رہنما ''ابو حنیفہ'' دو سال تک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد رہ چکے ہیں، ایک دن امام علیہ السلام نے ان سے پوچھا: ''تمہاری نظر میں عاقل کون ہے؟''

ابو حنیفہ نے عرض کیا: ''عاقل وہ ہے جو نیکی اور برائی کی پہچان اور ان میں تشخیص کی صلاحیت رکھتا ہو۔''

---

[۳۶] منتھی الامال، ج: ۲، ص: ۱۳۱۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جانور بھی اچھے اور برے کی پہچان کی صلاحیت رکھتے ہیں، اگر کسی جانور کو کھانا و چارہ دیا جائے اور اس کے ساتھ مہربانی کی جائے تو وہ بھی تمہارے ساتھ مہربانی سے پیش آئے گا۔ لیکن اگر جانور کو ستاؤ گے یا مارو گے تو وہ تم پر بھی حملہ کردے گا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جانوروں میں بھی اچھائی اور برائی کی پہچان کی صلاحیت پائی جاتی ہے لیکن وہ عقل کے مالک نہیں ہوتے ہیں"۔

ابو حنیفہ نے کہا: "مہربانی کرکے اس سوال کا جواب آپ خود ہی دے دیں"

امام علیہ السلام نے فرمایا: "عقلمند وہ ہے جو دو خیر یا دو شر (نیکی یا برائی) کے درمیان کہ جس کا فائدہ زیادہ اور نقصان کمتر ہو، انتخاب عمل میں لاسکے، دو اچھائیوں کے درمیان اس کا انتخاب کرسکے جو زیادہ اچھا ہے اور دو برائیوں کے درمیان جو کہ زیادہ بری ہے اور دو فائدوں اور نقصان کے درمیان جو کہ زیادہ بڑا

ہے، پہچان رکھتا ہو اور یہ کام صرف عقلمند انسان سے ہی ممکن ہے نہ کہ کسی جانور سے۔"[۳۷]

ایک مسلمان بہت ہی مایوسی اور محزون و مغموم حالت میں صادق آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور بولا: میرے لئے دعا فرمائیں کہ خداوند عالم مجھے رزق عطا کرے کیوں کہ بہت زیادہ مفلس اور غریب ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے لئے ہرگز ایسی دعا نہیں کروں گا۔

اس نادار آدمی نے کہا: "مولا، آپ میرے حق میں دعا کیوں نہیں کریں گے"؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: "کیونکہ خداوند عالم نے حکم دیا ہے کہ رزق و روزی کے لئے کوشش کرو، تاہم تم یہ چاہتے ہو کہ گھر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہو اور دعا کے ذریعہ گھر میں بیٹھے بیٹھے روزی حاصل کرلو!"[۳۸]

---

[۳۷] آذر یزدی، اچھے بچوں کے لئے اچھی کہانیاں، ج:۸، ص:۱۵۰۔

[۳۸] شیخ حر عاملی، وسایل الشیعہ، ج:۲، ص:۵۲۹۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک چاہنے والا جب حج کرکے مدینہ واپس آیا تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، امام علیہ السلام نے اس کے سفر کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا: سفر کے دوران ہمارے ساتھ ایک بہت ہی معزز و مکرم اور عابد و زاہد ہستی تھی جو کہ ہمارے قافلہ کے لئے باعث افتخار و عزت افزائی تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ہی خدا کی اطاعت و عبادت میں سرگرم رہا کرتے اور جہاں کہیں بھی ہم لوگ پڑاؤ ڈالتے، وہ فوراً وضو کرکے نماز و دعاء اور قرآن مجید کی تلاوت میں سرگرم ہو جایا کرتے تھے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: پھر ان کی جگہ ان کے کام کون انجام دیا کرتا تھا؟

اس نے عرض کیا: وہ صرف عبادت میں مشغول رہا کرتے اور دیگر کام، ان کی جگہ ہم لوگ انجام دیا کرتے تھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس لئے تم سب لوگ اس آدمی سے کہیں زیادہ بہتر تھے، اس لئے اس سے کہیں زیادہ ثواب تم لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔[۳۹]

تقریباً دوسری صدی ہجری کے آغاز کے دوران، مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا گروہ وجود میں آیا کہ جس کے پیروکار خود کو زاہد و صوفی سمجھتے تھے، ان لوگوں کی اپنی طرز زندگی اور اس کی روش، خاص تھی اور یہ لوگ دوسروں کو بھی اسی طرز کو اپنانے کی دعوت دیتے تھے۔ وہ ایسا ظاہر کرتے تھے کہ دین کا صحیح راستہ بس یہی ہے، ان کا ماننا تھا کہ دنیا کی نعمتوں سے دوری اختیار کرنی چاہیئے۔

ان کا کہنا تھا کہ مؤمن آدمی کو اچھے کپڑے نہیں پہننے چاہیئے، اسی طرح انہیں نہ تو اچھا کھانا کھانا چاہیئے اور نہ ہی اچھے گھروں میں زندگی گذارنی چاہیئے، یہ گروہ ایسے لوگوں کو جو کہ اچھی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے، لعنت ملامت کرتے

[۳۹] شہید مطہری، داستان راستان، ج:۱، ص:۱۰

اور ان کی تحقیر و تذلیل کرنے کے علاوہ، انہیں دنیا کا دلدادہ اور خدا سے دور لوگ سمجھا کرتے تھے۔

دنیا میں اس روش اور مسلک کا اس سے پہلے بھی سابقہ رہا ہے، یونان و ہند کے علاوہ دنیا کے دیگر علاقوں میں اس مسلک کا وجود کم و بیش موجود تھا، انہی ذرائع کے توسط سے یہ مسلک مسلمانوں کے درمیان وجود میں آیا کہ جس کو دینی رنگ میں ڈھال دیا گیا، یہ روش اور مسلک بعد کی نسلوں میں بھی جاری رہا اور اس میں حیرت انگیز طور پر اضافہ بھی ہوا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک مخصوص مسلک وجود میں آیا کہ جس کا براہ راست اثر، امور میں زندگی کے اصولوں کی ناقدری اور دیگر کاموں میں بے ضابطگی وجود میں آنا ہوا، جس کے نتیجہ میں اسلامی ممالک میں پسماندگی وانحطاط وجود میں آیا۔

اس مسلک اور فرقہ کا دائرہ رسوخ صرف صوفیوں کے درمیان نہیں تھا...

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی طرز فکر کو ایک طرح کی سماجی بیماری کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہ ایسی خطرناک بیماری ہے جس سے سماج کی روح کو لقوا

مار جاتا ہے لہٰذا اس بیماری سے مقابلہ کرکے اس طرح کی طرز فکر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔

تصوف سے مقابلہ، بیماری سے اور طرز فکر سے مقابلہ، حدیث میں موجود اشارے کے مطابق ہونا چاہیئے کہ جس کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ یہ بیماری جہاں کہیں بھی ہو، اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہر ممکن طریقہ سے جس شخص اور گروہ کے درمیان بھی ہو، مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مدینہ میں زندگی بسر کرنے والا ''ثفیان ثوری'' نامی صوفی اس مسلک اور گروہ کا تابع بلکہ ان کا رہنما بھی تھا، جو کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سفید رنگ کا بہت ہی ظریف و خوبصورت دودھ کی سفیدی کو بھی ماند کرنے والی رنگت کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، اس صوفی نے اس طرح کے پہناوے پر اعتراض آمیز لہجہ میں بولا: آپ کو زیب نہیں دیتا کہ اس طرح کا لباس استعمال کریں، آپ کو دنیاوی زینت سے خود کو آلودہ و آغشتہ نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ سے توقع کی جاتی

ہے کہ آپ زہد و تقویٰ اختیار کرتے ہوئے خود کو دنیاداری و دنیا پسندی سے دور رکھیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں بھی تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، غور سے سنو کہ یہ تمہاری دنیا و آخرت دونوں کے لئے مفید ہے۔ اگر حقیقت میں تم نے غلطی کی ہے اور اس سلسلہ میں اسلام کے حقیقی نظریہ سے آگاہ نہیں ہو تو میری بات تمہارے لئے مفید واقع ہوگی۔ لیکن اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ اسلام میں بدعت قائم کرو اور حقائق کو منحرف اور الٹا کرو تو یہ الگ بات ہے، پھر میری باتوں کا تم پر کوئی اثر اور فائدہ نہ ہوگا۔

ممکن ہے کہ تم رسول خداؐ اور ان کے اصحاب کی سادگی بھری، متواضع اور خاکسارانہ زندگی کو جو کہ اس زمانے میں تھی، اپنے ذہن میں مجسم کرو اور یہ سوچو کہ مسلمانوں کے لئے فرض ہے کہ قیامت تک اس دور اور زمانے کی زندگی اور صورتحال کو اپنائے رہیں اور غربت و افلاس میں زندگی کو اپنا نصب العین قرار دیں۔ تاہم میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ رسول خداؐ نے ایسے ماحول اور زمانے میں زندگی گذاری کہ اس زمانے اور ماحول میں غربت و تنگدستی اور

افلاس کی حکمرانی تھی۔ عام لوگوں کے پاس زندگی کے لوازمات کافقدان تھا۔ رسول اکرمؐ اور ان کے اصحاب ، تابعین کی زندگی لوگوں کی زندگی اور اس وقت کے حالات و زمانے سے وابستہ تھی۔ لیکن حال حاضر میں لوازمات و حالات زندگی اور خدائی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے امکانات میں تبدیلی آگئی ہے اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے امکانات فراہم ہو چکے ہیں اور الٰہی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق خدا کے نیک و صالح بندوں کو فاسق و بدکار لوگوں سے زیادہ حاصل ہے، تم نے مجھ میں کس چیز کو معیوب قرار دیا ہے؟ خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں خدا کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہوں، جب سے کہ میں حد بلوغ تک پہنچا ہوں، دن اور رات میں کوئی بھی ایسا وقت اور لحہ نہیں گذرتا کہ میں اس بات کو مد نظر نہ رکھوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری دولت و مال میں کسی ایسے کا حق شامل نہ ہو جائے کہ جس کو میں نے اس کے مالک کو ادا نہ کیا ہو !

پھر امام صادق علیہ السلام نے ثوری سے فرمایا: میں نے یہ بہ نفیس وعمدہ قسم کا لباس اپنی لذت کے لئے نہیں پہنا ہے، بلکہ لوگوں کے لئے ہے تاکہ وہ حقیر وذلیل تصور نہ کریں۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے ثوری کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، اپنا اوپر کا کپڑا ہٹایا اور اندر پہنے ہوئے کھردرے اور موٹے کپڑے کو دکھاتے ہوئے فرمایا: اس پرانے، معمولی اور کھردرے کھادی کے لباس کو اپنے لئے پہنا ہے اور اس کے اوپر اچھا کپڑا لوگوں کے لئے پہنا ہے تاکہ وہ لوگ جو مجھے پسند کرتے ہیں، ہماری اچھی صورتحال کو دیکھ کر خوش ہوا کرتے ہیں، اس حالت میں اور بھی خوش ہوتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: لیکن تمہارا یہ سوتی اور کھردرا کپڑا کہ جسے اوپر سے پہن رکھا ہے اور اندر نرم وخوبصورت اور ظریف لباس پہن رکھا ہے دکھاوے اور شہرت کے لئے ہے کہ جس کے ذریعہ تم دکھاؤ اور ریاکاری کررہے ہو۔

سفیان ثوری، امام علیہ السلام کو منطقی اور قانع کرنے والا جواب نہ دے سکا، وہاں سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور اپنے پیروکاروں کے پاس جاکر سارا واقعہ بتایا، ان سب نے فیصلہ کیا کہ سب اجتماعی طور سے آکر امام علیہ السلام سے بحث و مناظرہ کریں۔

یہ لوگ اجتماعی طور پر امام علیہ السلام کے پاس آئے اور بولے: ہمارا ساتھی اپنے دلائل پیش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، ابھی ہم سب آئے ہیں تاکہ اپنے دلائل کے ذریعہ آپ کو ہرا سکیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے دلائل کیا ہیں، بیان کرو۔

انہوں نے کہا: ہم قرآن کے ذریعہ اپنی دلیلیں پیش کریں گے۔

امامؑ نے فرمایا: قرآن سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے، بیان کرو میں سننے کے لئے آمادہ ہوں۔

انہوں نے کہا: ہمارے مسلک کی درستی اور صحیح ہونے کے سلسلہ میں قرآن میں صرف دو ایسی دلیلیں ہیں کہ جنہیں ہم کافی سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہیں: خداوند عالم

ایک جگہ صحابہ کے ایک گروہ کی اس طرح تعریف و ستائش کرتا ہے، باوجود اس کے کہ یہ لوگ غربت و تنگدستی کی حالت میں ہیں، پھر بھی دوسروں کو خود پر مقدم قرار دیتے ہیں جو لوگ کہ بخل و کنجوسی کی صفت سے دور رہتے ہیں وہی کامیاب لوگوں میں سے ہیں اور قرآن مجید میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: باوجود اس کے کہ کھانے کے ضرور تمند ہیں اور اس کی چاہت رکھتے ہیں، اس کے باوجود اسے غریبوں، یتیموں اور اسیروں میں بانٹ دیتے ہیں۔

ان کی بات جیسے ہی یہاں تک پہنچی ایک آدمی نے جو اس بزم میں ایک کونے میں بیٹھا یہ سب سن رہا تھا، کہنے لگا: آپ لوگوں کی باتوں سے اب تک جو کچھ کہ میں سمجھا ہوں یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی باتوں پر بھی عقیدہ نہیں رکھتے ہیں۔ آپ لوگ اپنی ان باتوں کا سہارا لیکر عوام کو مال و دولت سے بے رغبت بنا کر خود کے مال میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ اپنے مال سے فائدہ نہ اٹھا کر آپ کو فائدہ اٹھانے کے لئے دیدیں۔ کیونکہ عملی طور سے یہ مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے کہ آپ لوگ اچھے کھانوں سے دوری اختیار کریں اور پرہیز کریں!

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: چھوڑو ان سب باتوں کو جانے دو، ایسی باتوں کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہے۔ پھر حضرتؑ نے ان لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا: تم لوگ جو قرآن سے دلیلیں پیش کرتے ہو، یہ بتاؤ کہ محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ کے بارے میں جو کہ قرآن میں ہے، کچھ جانتے بھی ہو کہ نہیں ؟ آج تک جو بھی گمراہ ہوا ہے، اسی طریقہ سے گمراہ ہوا ہے کہ قرآن کریم سے صحیح آگاہی و معلومات رکھے بغیر، اس سے تمسک اختیار کر بیٹھا اور دلیلیں دینے لگا!

انہوں نے کہا: ہمیں اس سلسلہ میں مجموعی طور پر کچھ معلوم تو ہے لیکن مکمل طور پر نہیں پتہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں کی بد قسمتی یہی ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں بھی قرآنی آیات کی طرح ہیں، ان سے مکمل آگاہی و معلومات کا ہونا بیحد ضروری ہے۔

اور تم لوگوں نے قرآن مجید کی جن آیاتوں کی بات کی تو یہ آیتیں خدائی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے عدم جواز اور حرمت پر دلالت نہیں کرتی ہیں۔ یہ آیتیں

ایثار و فداکاری اور بخشش کی نشاندہی کرتی ہیں، ایسی قوم کی ستائش کر رہی ہیں جو کہ معینہ وقت پر خود پر دوسروں کو مقدم کرتے ہوئے اس مال کو جو کہ حلال و پاکیزہ تھا، دوسروں کو دیدیا اور اگر انہوں نے نہ دیا ہوتا تو بھی گناہ اور غلط کام کا ارتکاب نہ کیا ہوتا۔ خداوندعالم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا کہ ایسے موقع پر اس طرح کا اقدام کریں، یا ایسا کام کرنے سے انہیں منع بھی نہیں کیا تھا جب کہ انہوں نے اپنے جذبات واحساسات اور احسان کے حکم کے مد نظر خود کو تنگدستی و پریشانی میں ڈال کر دوسروں کی مدد کی کہ جس کا اجر خداوندعالم انہیں دے گا۔

بنابریں مذکورہ آیتیں تمہارے دعوے سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ کیونکہ تم لوگ عوام کو اس بات سے منع کرتے ہو اور ملامت کرتے ہو کہ وہ اپنے مال و دولت اور خداداد نعمتوں سے جو کہ اس نے عطا کی ہیں، فائدہ نہ اٹھائیں۔

ان لوگوں نے اس موقع پر اس قدر بخشش و کرم کیا۔ لیکن بعد میں خداوندعالم نے اس سلسلہ میں جامع و مکمل حکم دیا اور اس کام کی حدود کو معین کیا، البتہ یہ حکم جو بعد میں نازل ہوا، ان کے عمل کا ناسخ ہے۔ ہمیں اس حکم کا تابع و پیرو ہونا چاہیئے نہ کہ عمل کا پیروکار!

خداوند عالم نے مؤمنین کے حالات کی اصلاح اور اپنی خاص رحمت کے پیش نظر ایسے لوگوں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ اپنے اور اپنے گھر والوں کو فقر و افلاس اور تنگدستی میں مبتلاء نہ کریں اور اگر مختصر متاع اپنے پاس رکھتے ہوں اور بقدر کافی نہ ہو تو دوسروں کو نہ دیں کیونکہ گھر والوں کے درمیان ایسے کمزور و مستحق افراد پائے جاتے ہیں کہ جن کے اندر قوت برداشت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ اگر طے یہ ہو کہ میرے پاس روٹی کا صرف ایک ٹکڑا ہے کہ جس کو کسی کو دینے کے بعد میرے گھر والے بھوکے رہ جائیں گے تو پہلے ہمیں اپنوں کا خیال رکھنا ہوگا کیونکہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: جس کسی کے پاس کچھ روٹیاں، یا کچھ دینار ہوں اور وہ کسی کو ہدیہ دینا یا انفاق کرنا چاہتا ہو تو سب سے پہلے اپنے والدین کو دے اور دوسرے مرحلہ میں خود اور اپنے بچوں اور بیوی کے لئے رکھے اور پھر تیسرے مرحلہ میں اپنے رشتہداروں، قریبی لوگوں اور مؤمن بھائیوں کو دے اور آخری مرحلہ میں میراث و خیرات پر توجہ دے! یہ آخری اور چوتھا مرحلہ سب سے آخر میں ہے۔ رسول خداؐ نے جب سنا کہ انصار میں سے ایک آدمی گذر گیا ہے اور اس کے چھوٹے بچے ہیں تاہم اس نے اپنا بچا کچھا مختصر اثاثہ راہ خدا میں انفاق

کر دیا ہے، تب فرمایا: اگر مجھے پہلے خبر ملی ہوتی تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت نہیں دیتا، وہ اپنے بعد اپنے بچوں کی ایسی حالت کر گیا کہ اس کے بچوں کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے!

میرے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ کے حوالے سے نقل کیا کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے: انفاق کے سلسلہ میں سب سے پہلے شروعات اپنے خاندان سے کرو، اس لحاظ سے جو جتنا قریب تر ہوگا وہ اتنا ہی مقدم ہوگا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کی آیات بھی تم لوگوں کی روش اور مسلک کی نفی کرتے ہوئے فرماتی ہیں: پرہیزگار و متقی وہ لوگ ہیں جو انفاق کے معاملہ میں افراط و تفریط سے نہیں بلکہ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔

قرآن کی بہت سی آیات کے ذریعہ، بخشش اور مال کے خرچ کے سلسلہ میں انتہا پسندی اور افراط و تفریط نیز فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں اعتدال پسندی اور بیچ کا راستہ اپنانے کی نصیحت کی ہے۔ یہ نہیں کہا ہے کہ جو کچھ کہ پاس میں ہے اسے بانٹ دو، تمہارا ہاتھ خالی ہو جائے اور پھر دوسروں کے آگے دست نیاز پھیلاتے نظر آؤ اور دعا کرو کہ خداوندا مجھے روزی

عنایت کر، خداوند عالم اس طرح کی دعا کو ہرگز قبول نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: خداوند عالم کچھ لوگوں کی دعا کو قبول نہیں کرتا ہے:

الف: اس کی جو کہ خداوند عالم سے اپنے والدین کی برائی طلب کرے۔

ب: کسی نے اپنا مال قرض کے طور پر دیا ہو اور کسی کو گواہی کے طور پر شامل نہ کیا ہو یا کوئی تحریری سند نہ لی ہو اور کوئی اس کا مال ہڑپ کر جائے، اس کے بعد یہ آدمی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدا سے مدد طلب کرے، البتہ ایسے آدمی کی دعا قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا ذریعہ گنوایا ہے اور بغیر کسی گواہ یا تحریری سند کے مال کسی دوسرے کے حوالے کیا ہے۔

ج: جو کوئی اپنی بیوی کی مصیبت سے چھٹکارا پانا چاہے، کیونکہ اس کا راستہ اور حل خود اس آدمی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اگر اپنی زوجہ سے خوش نہیں ہے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا تو بذریعۂ طلاق شادی کے بندھن کو توڑ سکتا ہے۔

د: ایسا آدمی جو اپنے گھر میں ہاتھ دھرے بیٹھا ہو اور خدا سے روزی کا طلبگار ہو خداوند عالم ایسے نادان و جاہل اور لالچی بندے کے لئے فرماتا ہے: میرے بندے! کیا ایسا نہیں ہے کہ میں نے تجھے صحیح و سالم اعضا و جوارح عطا کئے؟ میں نے تجھے ہاتھ پاؤں آنکھ کان اور عقل کی نعمت سے نوازا تاکہ دیکھ اور سن سکے اور سوچ سمجھ کر حرکت کرے اور اپنے ہاتھوں کو جنبش دے سکے؟ ان سب چیزوں کی تخلیق میں مقصدیت پائی جاتی ہے۔ ان نعمتوں کا شکرانہ اس میں ہے کہ تم ان سب کو کام میں لاؤ۔ بنابریں میں نے اپنے اور تمہارے درمیان حجت کو تمام کردیا ہے تاکہ تم طلب کی راہ میں قدم اٹھاؤ اور سعی و کوشش کے سلسلہ میں میرے حکم کی اطاعت کرو اور دوسروں کی مدد کے متوقع و منتظر نہ رہو!

البتہ اگر میری مجموعی حیثیت سے سازگاری ہوئی تو تمہیں وافر مقدار میں روزی عطا کروں گا اور اگر کسی وجہ سے اور زندگی کی مصلحت اور اس کے تقاضوں کے پیش نظر اس میں توسیع نہ ہوئی تو تم اپنی بھرپور کوشش کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنا فریضہ انجام دوگے اور اس سلسلہ میں معذور ہوگے۔

ہ:	جس کسی کو خداوند عالم نے زیادہ دولت وثروت کی نعمتوں سے نوازا ہو اور اس نے اپنی ساری دولت کو زیادہ سے زیادہ خیرات و بخشش میں بانٹ دیا ہو اور بعد میں خدا سے دعا کرے کہ خدایا! مجھے روزی عطا کر!

خداوند عالم اس کے جواب میں فرمائے گا: کیا میں نے تمہیں افراط کی حد تک روزی عطا نہیں کی تھی؟ پھر تم نے اعتدال سے کام کیوں نہ لیا؟ کیا میں نے اعتدال سے کام لینے کا حکم نہیں دیا تھا؟ کیا یہ نہیں کہا تھا کہ بخشش و انفاق میں اعتدال و توازن کو محفوظ رکھو؟ کیا میں نے اموال کی بخشش میں بے حساب خرچ کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟

د:	جو کوئی قطع رحم (خونی رشتہ داروں سے قطع تعلق) کی دعا کرے اور خداوند عالم سے کسی ایسی چیز کی درخواست کرے کہ جس سے رشتہ داری میں قطع تعلق کا لازمہ قرار پائے (یا جس کسی نے رشتہ توڑا ہے، اس موضوع سے متعلق کوئی دعا کرے تو خدا اس کو قبول نہیں کرتا ہے)

خداوند عالم نے قرآن کریم میں خاص کر اپنے نبی کریمؐ نے بخشش و انفاق کی روش کی تعلیم دی ہے، کیونکہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ ایک مرتبہ پیغمبر اکرمؐ کے پاس

کچھ سونا یا اس کا پیسہ آیا اوار وہ اس کو غریبوں میں تقسیم کرنا چاہتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ پیسہ ایک رات بھی ان کے پاس رہے۔

اسی لئے ایک ہی دن میں اس پیسہ کو سب کے درمیان تقسیم کردیا۔ دوسرے دن ایک غریب اور ضرورتمند آدمی آیا اور اس نے مدد کی درخواست کی۔ اس وقت پیغمبر اکرمؐ کے پاس کچھ بھی نہ تھا کہ اس غریب و مفلس کی مدد کرتے، اس لئے بہت زیادہ ملال ہوا، اسی بنا پر قرآن کی آیت نازل ہوئی اور کام کرنے کے طریقۂ کار کا حکم سنایا گیا۔ آیت میں آیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو گردن پر نہ تو مستحکم طور پر باندھو اور نہ ہی اس قدر کھلا چھوڑدو کہ خالی ہاتھ ہوجاؤ اور غریبوں اور مسکینوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے!

یہ ایسی حدیثیں ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ نقل کی گئی ہیں اور قرآن کریم کی آیتیں بھی احادیث کے مضمون کی تائید کرتی ہیں، البتہ وہ لوگ جو کہ قرآن کے ماننے والے ہیں اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں وہ قرآن کی آیات کے مضمون پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

ابوبکر سے موت کے موقع پر کہا گیا کہ اپنے اموال کے سلسلہ میں وصیت کریں۔ انہوں نے کہا: میرے مال کا پانچواں حصہ انفاق کر دیا جائے اور باقی وارثوں کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ پانچواں حصہ بھی کم نہیں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے مال و دولت کا پانچواں حصہ باٹنے کی وصیت کی جبکہ بیمار کو یہ حق اور اختیار حاصل ہے کہ احتضار کے موقع پر ایک تہائی حصہ کی بھی وصیت کر سکتا ہے۔ اگر انہیں پتہ ہوتا کہ یہ بہتر ہے تو اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک تہائی حصہ کی وصیت کرتے!

سلمان و ابوذر کی سیرت و روش بھی جو کہ فضیلت و تقویٰ اور زہد میں شہرۂ آفاق تھے، ایسی ہی مثالی شخصیت تھی۔

جناب سلمان جب بیت المال سے اپنا سالانہ حصہ دریافت کرتے تھے تو اپنا ایک سال کا خرچ الگ کر کے رکھ دیتے تھے۔ ان سے کہا گیا: آپ اس قدر زہد و تقویٰ کے مالک ہونے کے باوجود، سال کے آخر تک کا مال ذخیرہ کرتے ہیں؟ جب کہ موت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو سکتا ہے انہی دنوں میں موت آجائے اور سب کچھ دھرا رہ جائے؟

انہوں نے جواب میں کہا: شاید کہ موت نہ آئے! تم لوگ صرف مرنے کو ہی کیوں فرض قرار دیتے ہو؟ دوسرا فرض یہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ زندہ رہ جاؤں؟ اور اگر زندہ رہ گیا تو اس کی بابت اور بھی فرائض اور ذمہ داریوں کے ساتھ ضروریات بھی تو ہیں کیونکہ اگر زندگی رہ گئی تو اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے؟ تم نادان لوگ، اس بات سے غافل ہو کہ اگر نفس انسانی کے پاس بقدر ضرورت وسائل زندگی نہ ہوں تو حق کی اطاعت میں کوتاہی و سستی واقع ہوگی اور اس سے نشاط وشادی رخت سفر باندھ لے گی لیکن اگر وسائل زندگی کی فراہمی ہوگی تو وہ مطمئن ہوگا۔

جناب ابوذر بھی کئی اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی ایک تعداد کے مالک تھے۔ ان کے دودھ کا استعمال کرتے اور اگر کبھی گوشت کھانے کی خواہش ہوتی یا کوئی مہمان آتا یا کسی کو مستحق ضرورت پایا کرتے تو بھیڑ بکریوں کے گوشت کا استعمال کرتے تھے اور اگر کسی اور کو دینا چاہتے تو دوسروں کے برابر خود کے لئے رکھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں سے زیادہ زہد والا کون تھا؟ پیغمبر اکرمؐ نے ان لوگوں کے بارے میں جو کچھ بھی فرمایا ہے، ان سے آپ سب لوگ واقف ہوں گے ہی! ان

لوگوں نے زہد و تقویٰ کے نام پر کبھی بھی اپنی ساری جمع پونجی اور دولت دوسروں کو نہیں بانٹی اور وہ لوگ اس راہ پر نہیں چلے جیسا کہ آپ لوگ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہے سب سے چشم پوشی کرلیں اور خود کو اور اپنے گھر والوں کو پریشانی میں ڈال دیں!

میں رسمی طور پر اس حدیث کے ذریعہ کہ جسے میرے والد نے اور انہوں نے اپنے والد اور اسی طرح ہمارے اجداد کے حوالے سے رسولخداؐ کے ذریعہ نقل کیا ہے، متنبہ کرتا ہوں کہ حضرتؐ نے فرمایا: ان عجیب ترین چیزوں میں وہ حال ہے جو مؤمن کے اندر وجود میں آتا ہے کہ اگر اس کے بدن کے ٹکڑے بھی کردیئے جائیں تو بھی ان کے لئے خیر و سعادت ہی ہوگی۔ اگر مشرق و مغرب کی دولت بھی اس بندۂ خدا کو دیدی جائے تب بھی اس کے لئے خیر و سعادت ہی ہوگی۔

مؤمن کی خیر و بھلائی اس میں نہیں ہے کہ ضروری ہے کہ وہ غریب و مفلس اور تنگدست ہو۔ مؤمن کی خیر و بھلائی، اس کے جذبۂ ایمان و عقیدے سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے۔ کیونکہ وہ فقر و غنیٰ، دولتمندی و غربت جس حال میں بھی ہو،

اس کے سامنے اس کا فرض ہوتا ہے اور وہ اپنے فریضہ کو بخوبی انجام دینا جانتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عجیب ترین حالت کو خود پر طاری کرتا ہے کہ جس کے تحت وقوع پذیر ہونے والے سبھی وقائع اور شدائد وغیرہ اس کے لئے خیر و سعادت ہوا کرتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم اب تک جو باتیں آپ لوگوں کو میں نے بتائیں ہیں، کافی ہیں یا اور بھی باتیں کروں اور وضاحت دوں؟

کیا تمہیں پتہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اس وقت جہاد کا قانون یہ تھا کہ دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان کو استقامت دکھانے کی ضرورت ہے اور اگر وہ استقامت نہیں دکھاتا تھا تو یہ اور بھی بڑا گناہ شمار کیا جاتا تھا تاہم یہ جرم اور قانون کی خلاف ورزی شمار کیا جاتا تھا لیکن بعد میں جب امکانات بہتر ہوئے اور ان میں اضافہ ہوا تو خداوند عالم نے اپنے لطف اور رحمت کے سبب بہت بڑی چھوٹ دیتے ہوئے اس قانون میں اس طرح تبدیلی کی کہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ دو کافروں کے مقابلہ میں استقامت دکھائے نہ کہ اس سے زیادہ۔

میں تم لوگوں سے انصاف وانصاف پسندی اور قضاوت کے بارے میں اسلام کے حکم سے متعلق باتیں اور سوال کرنا چاہتا ہوں۔ فرض کرو کہ تم میں سے کوئی ایک عدالت میں قاضی کے روبرو پیش ہو اور نفقہ کا مسئلہ در پیش ہو، قاضی یہ حکم کرے کہ اپنی زوجہ کا نفقہ ادا کرو۔ یہاں پر کیا کروگے؟ کیا یہی عذر پیش کروگے کہ میں تو ایک زاہد آدمی ہوں، مجھے متاع دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہے، کیا عذر قابل قبول ہوگا؟ تمہارے حساب سے قاضی زوجہ کا نفقہ ادا کرنے پر مبنی حکم حق وانصاف کی بنیاد پر ہے یا اس نے تمہارے حق میں ظلم وجور کا ارتکاب کیا ہے؟

اگر یہ کہو کہ یہ ناانصافی اور ظلم پر مبنی حکم ہے تو کھلا جھوٹ ہوگا کہ جس کی وجہ سے پورے اہل اسلام پر الزام عائد ہوگا اور ظلم کا ارتکاب کروگے اور اگر یہ کہوگے کہ قاضی کا حکم صحیح ہے تو پھر تمہارا عذر غلط اور باطل ہے اور اس ذریعہ سے یہ بات مان لوگے کہ تمہاری روش اور طریقہ غلط ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے کہ جس کی بابت مسلمانوں کے درمیان واجب وغیر واجب انفاق کا انجام پانا لازمی ہوا کرتا ہے اور وہ ہے زکات یا کفارے

کا مسئلہ ! اگر فرض کریں کہ زہد کا مطلب دنیا سے گریز و دوری اور ضروریات ولوازم زندگی سے کنارہ کشی ہے اور یہ فرض کریں کہ اگر دنیا کے لوگ تمہاری پسند کے مطابق زاہد ہوگئے اور انہوں نے زندگی اور ضروریات زندگی سے منہ موڑ لیا تو پھر واجب کفاروں اور صدقات کا کیا ہوگا؟ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے کہ زکات کو اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ تنگدست لوگوں کی زندگی میں بہتری حاصل ہو اور وہ بھی زندگی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکیں؟ اس سے خود اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ان احکام و قوانین کے وضع کرنے کا مقصد، زندگی کی نعمتوں اور یہ ہوتا کہ انسانوں کو اس دنیا سے گریز و دوری اختیار کرنی چاہیئے اور غربت و افلاس کی زندگی بسر کرنی چاہیئے تو پھر غریب و تنگدست لوگ اس مقصد کو حاصل کر چکے ہیں کہ پھر اب ان کو کچھ دینے یا مدد کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاکہ وہ اپنی اس سعادتمندانہ اور خوش نصیبی والی زندگی میں یونہی مبتلا رہیں اور اس سے باہر نہ نکل سکیں! اور چونکہ وہ لوگ سعادت میں غرق ہیں لہٰذا اسی میں ہمیشہ رہنا پسند کریں اور اس حالت میں باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں!

اس لحاظ سے ایسا نظر آتا ہے کہ تم لوگوں نے طریقت کا بہت ہی ناپسند، غیر مطلوب اور خطرناک راستہ اختیار کیا ہے کہ جس کے تحت لوگوں کو ایسے مسلک کی دعوت دیتے ہو اور خود بھی اس پر چل رہے ہو جو کہ قرآن سے لاعلمی اور قرآن و سنت نیز احادیث و طریقت محمدیؐ کے خلاف ہے۔

تم لوگ قرآنی آیات کے مفاہیم و معنیٰ اور اس کے اندر پائے جانے والے لطیف و باریک اور دلچسپ پہلوؤں پر غور نہیں کرتے ہو، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کے درمیان فرق کو نہیں سمجھتے ہو اور امر و نہی کے درمیان تمیز و تشخیص کی صلاحیت نہیں رکھتے ہو۔

واقعۂ سلیمان بن داؤد کے سلسلہ میں مجھے جواب دو کہ جب انہوں نے خداوند عالم سے ایک ایسے ملک کی درخواست کی کہ اس سے بالاتر اور بہتر کسی اور کو میسر نہ ہوا ہو، تو خداوند عالم نے بھی انہیں ویسا ہی ملک دے دیا۔ البتہ جناب سلیمان حق کے سوائے کسی اور چیز کے طالب نہ تھے۔ اس سلسلہ میں کہ سلیمان نے ایک ملک مانگ لیا ہے۔ نہ تو خدا نے ، نہ ہی قرآن نے اور نہ ہی کسی فرد مؤمن نے جناب سلیمان کی اس خواہش اور درخواست پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اسی طرح جناب یوسف کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بادشاہ وقت سے رسمی طور پر خزانہ کی چابیاں اور اس بابت ذمہ داری مانگ لی کہ میں امین بھی ہوں اور کام کی صلاحیت بھی رکھتا ہوں، پھر تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مصر سے لے کر یمن تک ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ البتہ یہاں پر جناب یوسفؑ نے نہ تو خواہش کے تقاضوں کے برخلاف عمل کیا اور نہ ہی خداوند عالم نے اس کام کے لئے ان پر کوئی اعتراض کیا!

اسی طرح تم لوگوں نے ''ذوالقرنین'' کا بھی قصہ تو سنا ہی ہوگا، وہ ایسے بندے تھے جو خدا سے بیحد محبت کرتے تھے اور خدا بھی انہیں دوست رکھتا تھا، اس نے دنیاکے سارے اسباب ان کے حوالے کردیئے اور ساتھ میں ہی انہیں مشرق و مغرب کامالک بنادیا۔

اے لوگو! اس غلط راہ سے باز آجاؤ۔۔۔اور خود سے ہی احکام اور قانون نہ بناؤ۔ان مسائل میں مداخلت نہ کرو جن کے بارے میں آگاہی نہیں رکھتے ہو... کوشش کرو کہ ناسخ کو منسوخ سے اور محکم کو متشابہ اور حلال کو حرام سے فرق کرنے اور پہچاننے کی تمیز پیدا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر، آسانتر اور نادانی و جہالت

سے بدرجہ ہا اچھا ہے۔ جہالت کو دور بھگاؤ کہ اس کے طرفدار زیادہ ہیں، علم و دانش کے برخلاف، کے جس کے طرفداروں کی بڑی کمی ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا ہے: سب سے اوپر علم و دانش ہے۔[40]

ایک آدمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور عرض کیا: کل رات میں نے بہت ہی بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھا، اس کے بعد سے ذہن میں طرح طرح کا خیال آتا ہے اور عجیب و غریب تعبیر مجسم ہوتی ہے، اس وقت سے اب تک میں ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں کہ سوچ کر ہی روح کانپ اٹھتی ہے۔

امام علیہ السلام نے اسے اپنا خواب بیان کرنے کو فرمایا: اس نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک لکڑی کا آدمی، لکڑی کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہاتھ میں تیز دھار چمکتی ہوئی تلوار لئے مجھے مارنے کے لئے میری طرف تیزی سے بڑھتا

---

[40] مدرک بالا، ص:۳٦ باندکی تغییر و تلخیص

ہوا چلا آرہا ہے، مہربانی کرکے تعبیر بتائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم کسی امیر آدمی سے پہچان رکھتے ہو اور تمہاری نیت اس کی دولت پر گڑی ہے۔ تم نے منصوبہ بنایا ہے کہ اس کو جان سے مارنے کے بعد اس کی ساری دولت پر قبضہ کرلو، جس خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے، اس سے خوف کھاؤ اور اپنے فیصلہ سے باز آجاؤ۔

وہ آدمی جو بیحد شرمندہ تھا، عرض کرنے لگا: الحق کہ حقیقی عالم آپ ہی ہیں اور علم کو اس کے ذخیرے اور منبع سے ہی حاصل کیا ہے۔ آپ بالکل بجا فرمارہے ہیں اور جو کچھ کہ آپ نے فرمایا: میں اس کا اعتراف کرتا ہوں، میرا ایک پڑوسی ہے کہ جس کے پاس بہت بڑا اور ہرا بھرا باغ ہے، تاہم اسے پیسوں کی ضرورت ہے اس لئے اس کو بیچنا چاہتا ہے، فی الحال میرے علاوہ کوئی دوسرا خریدار بھی نہیں ہے اور میں بھی اس خیال میں ہوں کہ اس کی دولت کو مفت میں ہتھیالوں اور باغ کو بہت ہی سستی قیمت پر اس سے خرید لوں اور چونکہ وہ اس

وقت محتاج اور پریشان ہے اس لئے کمترین قیمت پر فروخت کرنے کے لئے راضی ہو جائے گا۔[41]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، مزدوروں کا موٹا کپڑا پہننے اپنے باغ میں کدال لئے کام میں مشغول تھے اور اپورا بدن پسینہ میں شرابور تھا اسی حالت میں ''ابو عمرو شیبانی'' حضرت کے پاس آئے اور امام علیہ السلام کو اس طرح کے کام اور انہیں تعب و رنجیدہ حالت میں دیکھ کر خود سے کہا: ہو سکتا ہے کہ امامؑ کے پاس اس طرح کا کام کرنے اور مدد کرنے والا نہ ہو اسی لئے محنت بھرا کام خود کرنے لگے ہوں، اسی لئے آگے بڑھے اور عرض کیا: مولا میں آپ پر قربان جاؤں، یہ کدال مجھے دیں، میں آپ کی جگہ کام کرتا ہوں۔

---

[41] وسایل، ج:۲، ص:۵۸۲۔

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: نہیں، بنیادی طور سے مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ آدمی روزی و معاش کے حصول کے لئے محنت کشی اور جفا کشی کرے اور اس پر تمازت آفتاب پڑے۔[۴۲]

مدتوں سے لوگوں کے درمیان، ایک آدمی کا نام بہت لیا جارہا تھا اور اس کی پارسائی و تقدس اور دیانت کے چرچے خاص و عام کی زبان پر تھے سبھی جگہ لوگ اس کی قداست و بزرگی کی باتیں کیا کرتے تھے، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھی لوگ آکر اس کی بہ نسبت عرض ادب و اخلاص کیا کرتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سوچا کیوں نہ لوگوں کی نظریں بچا کر اس آدمی کو دیکھا جائے اور ملاقات کی جائے جو کہ عوام میں اس قدر مقبول اور ہر

---

[۴۲] بحار الانوار، ج: ۱۱، ص: ۱۲۰۔

دلعزیز ہے، اسی وجہ سے، ایک دن، نامعلوم شخص کی حیثیت سے اس آدمی کے پاس گئے۔

امام علیہ السلام نے دیکھا کہ عام لوگوں نے اس کے ارد گرد اجتماع کر رکھا ہے، والہانہ اور پرجوش طور پر اس کے ارد گرد پروانہ وار چکر لگا رہے ہیں امام علیہ السلام بغیر کسی کو بتائے اور اپنی شخصیت کو چھپائے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، امام علیہ السلام کی توجہ کو سب سے پہلے جس چیز نے اپنی طرف کھینچی وہ اس کی ریاکاری اور عوام فریبی پر مبنی رویہ تھا، جب وہ لوگوں کے نرغہ سے نکلا اور اپنا راستہ چلنے لگا تو امام علیہ السلام نے خاموشی کے ساتھ اس کا پیچھا کیا تاکہ دیکھیں کہ وہ کہاں جارہا ہے اور کیا کرتا ہے اور اس کے دلچسپ اعمال اور کارنامے کیا ہیں؟

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ روٹی کی دکان پر رکا، امام علیہ السلام نے بڑے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ اس آدمی نے دکان کے مالک کی نظریں بچا کر وہاں سے دو روٹی اٹھائی اور چپکے سے روٹیوں کو اپنے کپڑے میں چھپالیا اور وہاں سے نکل پڑا۔ امام علیہ السلام نے خود سے کہا:

شاید اس کا مقصد روٹی کا خریدنا ہو اور روٹی کا پیسہ پہلے ہی دیدیا ہو یا بعد میں دے گا! لیکن پھر سوچا اگر ایسا تھا تو اس نے روٹی والے دکاندار کی آنکھ بچا کر چوری کرنے کا اقدام کیوں کیا؟ امام علیہ السلام نے اس کا پیچھا کیا، دیکھا کہ پھل کی دکان پر رکا اور یہاں بھی دکاندار کی نظریں بچا کر دو عدد انار چپکے سے اٹھایا اور اپنی جیب میں چھپایا اور وہاں سے چل پڑا۔

امام علیہ السلام کی حیرانی بڑھتی گئی اور اس حیرانی نے تعجب میں اس وقت اضافہ کردیا جب امام علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ آدمی ایک بیمار آدمی کے پاس گیا اور اس کو روٹی اور پھل دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر امام علیہ السلام سے رہا نہ گیا، آگے بڑھے اور اس سے کہا: آج میں نے تمہارے ذریعہ عجیب حرکتیں سرزد ہوتی ہوئی دیکھیں، پھر امامؑ نے اس کا چھپ کر پیچھا کرنے اور روٹی و انار کی چوری وغیرہ کی بات اس کو بتائی اور اس بارے میں اس سے وضاحت طلب کی۔

اس نے امام علیہ السلام کی طرف دیکھا اور بولا: مجھے لگتا ہے کہ آپ جعفر بن محمد ہیں، کیا ایسا نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تم نے صحیح اندازہ لگایا، میں جعفر بن محمد ہی ہوں۔

اس آدمی نے کہا: بے شک آپ فرزند رسول خداؐ ہیں اور نسبی نجابت و شرافت کے مالک ہیں، لیکن افسوس کہ آپ اس حد تک غافل اور نادان ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے مجھ میں ایسا کیا دیکھا جو اس طرح سے کہہ رہے ہو؟

اس آدمی نے کہا: یہی سوال جو کر رہے ہیں، نادانی کی علامت ہے، ایسا لگتا ہے کہ دین کے معاملہ میں ایک معمولی سا محاسبہ بھی آپ نہیں کر سکتے ہیں۔

کیا آپ کو پتہ نہیں ہے کہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے: ''ہر نیک کام کا اجر وثواب دس گنا زیادہ ہوتا ہے۔''

اور قرآن میں ایک جگہ اور فرمایا گیا ہے: ''ہر برے کام کی سزا ایک برابر ہے۔''

اس حساب سے میں نے دو روٹیاں چرائیں، اس کی سزا دو شمار کی جاتی ہے۔ لیکن دوسری طرف، ان دو روٹیوں اور دو انار کو راہ خدا میں دیگر ہر ایک کے بدلہ میں

دس نیکی کمائی کہ مجموعی طور پر مجھے چالیس نیکیاں نصیب ہوئیں۔ یہاں پر ایک بہت ہی معمولی سا حساب، مطلب کے نتیجہ کو واضح کرتا ہے اور وہ یہ کہ اگر اس چار کو چالیس سے گھٹا دیں تو، چھتیس باقی رہ جائے گا۔ بنابریں میں نے چھتیس خالص اچھائیاں اور نیکیاں حاصل کیں، یہ وہی معمولی حساب و محاسبہ ہے کہ جس کے سمجھنے سے آپ عاجز و ناتواں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا تجھے موت دیدے، تو جاہل و نادان ہے جو اپنے خیال میں اس طرح حساب کر رہا ہے، کیا تو نے قرآن مجید کی وہ آیت نہیں سنی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے: خدا صرف پرہیزگاروں کے عمل کو قبول کرتا ہے۔

اب یہی ایک معمولی سا حساب تجھے اپنی غلطیوں سے واقف کرانے کے لئے کافی ہے۔ تیرے ہی بقول تو نے چار گناہوں کا ارتکاب کیا اور چونکہ تو نے لوگوں کے مال کو صدقہ اور احسان کے نام سے دوسروں کو دے کر نیکیاں نہیں بلکہ ہدایت کے بدلہ میں گناہ کا بھی سودا کیا ہے، بنابریں تیرے گناہوں میں دیگر چار گناہوں کا اضافہ ہو گیا کہ جس کی مجموعی تعداد آٹھ ہو گئی اور بدلہ میں کچھ بھی نیکی نہیں کمائی سوا الگ۔

امام علیہ السلام نے یہ باتیں بیان کیں اور اس آدمی کو حیران و پریشان حالت میں چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

امام صادق علیہ السلام نے یہ واقعہ اپنے اصحاب کو سناتے ہوئے فرمایا: دینی امور میں اس طرح کی جاہلانہ اور بری تفسیر و توجیح اس بات کا سبب بنتی ہے کہ کچھ لوگ گمراہی میں مبتلا ہوجائیں اور دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف لے جائیں۔[۴۳]

جس کے سر میں سودائے حقیقت سمایا ہو اور سرچشمہ یقین تک رسائی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہو، جادۂ حق پر چلنے سے تھکا نہیں کرتا ہے۔ یہی حالت ''عنوان بصری'' کی تھی کہ جنہیں طویل مسافت طے کرنے کا حوصلہ دیا اور وہ طویل مسافت سر کرنے کے بعد مدینہ آئے جو کہ مرکز نشر و توسیع اسلام اور فقہا و محدثین کے اجتماع کا مرکز تھا۔ انہوں نے خود کو مدینہ کے مشہور و معروف محدث و فقیہ ''مالک بن انس'' تک پہنچایا۔ ''مالک بن انس'' کے حضور میں

---

[۴۳] داستان راستان، ج:۱۔۲۱۰

رسول خداؐ کی احادیث نقل وثبت ہورہی تھیں، ''عنوان بصری'' بھی مالک کے ان شاگردوں میں شامل ہوگئے جو روایات کے نقل کرنے، احادیث کی عبارتوں کے لکھنے اور ان کی اسناد کو ذہن نشین کرنے یعنی جن لوگوں نے روایات نقل کی تھیں ان کے ناموں کو درج کرنے میں سرگرم تھے، تاکہ اس طرح سے اپنے اندر جاگی ہوئی پیاس کو بجھا سکیں۔

اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اور جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مدینہ تشریف لائے تو عنوان بصری نے فیصلہ کیا کہ جس طرح سے مالک بن انس کی شاگردی کی اور فائدہ اٹھایا اسی طرح امام علیہ السلام کی بھی شاگردی کا فیض اٹھا سکیں۔ لیکن امام علیہ السلام نے ان کے علم کی پیاس کو اور زیادہ بھڑکانے کے لئے انہیں اپنی شاگردی میں قبول کرنے سے انکار کردیا۔

ایک دن ان سے فرمایا: میں زیادہ مصروف آدمی ہوں، اس کے علاوہ مجھے رات اور دن میں کئی مرتبہ ذکر ودعا میں مشغول رہنا پڑتا ہے، اس لئے تم میرا وقت

برباد مت کرو، جس طرح تم پہلے مالک کے درس میں جایا کرتے تھے، اب بھی وہیں جاؤ۔

امام علیہ السلام کے ان جملوں اور صریحی طور پر انکار نے عنوان بصری کے دماغ پر ہتھوڑے چلا دیئے، انہوں نے خود سے کہا: اگر امامؑ نے میرے اندر صلاحیت و قابلیت اور نور علم کے حصول کا جذبہ دیکھا ہوتا تو خود سے مجھے الگ نہ کیا ہوتا۔ اداس و غمگین حالت میں مسجد النبیؐ میں داخل ہوئے، وہاں سلام بجالائے اور دل و دماغ پر ہزاروں من بوجھ لئے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن گھر سے سیدھے مرقد النبیؐ گئے اور دو رکعت نماز بجالانے کے بعد اپنا دل درگاہ الٰہی کے حوالے کرتے ہوئے کہا: خداوندا! تو جو کہ سب کے دلوں کا مالک ہے، تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دل میں مہربانی کا جذبہ جگا دے۔

خداوندا! تو مجھے اپنی عنایت کے زیر سایہ قرار دے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے علم سے فیضیاب ہونے کا شرف عطا فرما تاکہ تیری راہ مستقیم کو حاصل کر سکوں!

اس نماز و دعاء کے بعد کہیں اور جانے کے بجائے سیدھے اپنے گھر چلے گئے۔ لمحہ بہ لمحہ اپنے دل میں محسوس کر رہے تھے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی بہ نسبت ان کی محبت و دلچسپی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دوری اور زیادہ کچوکے لگارہی ہے۔ غم واندوہ نے انہیں گھر کے ایک کونے میں محبوس کرکے رکھ دیا۔ سوائے نماز کے کسی اور کام سے گھر سے باہر نہیں جاتے تھے، ایک طرف تو امام علیہ السلام نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ بلا سبب ان کے لئے زحمت فراہم نہ کریں اور دوسری طرف اندرونی طور پر ان کے دل میں اس قدر جذبۂ ملاقات نے اتھل پتھل مچارکھی تھی کہ سوائے ایک محبوب اور ایک مطلوب کے کچھ اور نہیں سوجھ رہا تھا۔

تعب و محن بڑھتا گیا، ہمت جواب دے گئی۔ دامن صبر میں گنجائش نہ رہی، کپڑے پہنے اور گھر سے نکل کر امام کی خدمت میں حاضر ہوگئے خادم آیا اور پوچھا: کیا کام ہے؟ انھوں نے کہا: کچھ نہیں، بس امام کی خدمت میں سلام عرض کرنے آیا ہوں۔

خادم نے کہا: امام علیہ السلام نماز پڑھ رہے ہیں، تھوڑی دیر بھی نہیں گذری تھی کہ وہی خادم کمرے میں لوٹ کر آیا اور بولا: اندر آجائیں، عنوان، کمرے میں داخل ہوئے، امامؑ پر نظر پڑتے ہی سلام عرض کیا۔ امام علیہ السلام نے عنوان کے سلام کا جواب ایک دعا کے ساتھ دیا اور پھر پوچھا: تمہاری کنیت (لقب) کیا ہے؟ عنوان نے کہا: ابو عبداللہ، امامؑ نے فرمایا: خدا تمہارے لئے اس کنیت کو محفوظ رکھے اور تمہیں توفیق عنایت کرے۔ یہ دعا سن کر وہ خوش ہوگیا اور اس نے خود سے کہا: اگر اس ملاقات میں اس دعا کے علاوہ مجھے کوئی اور فائدہ نہ ہوا تب بھی کوئی بات نہیں ہے اور یہی میرے لئے کافی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا تو بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا کام ہے اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

عنوان نے کہا: میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ وہ آپ کو مجھ پر مہربان کردے اور مجھے آپ کے علم سے فیضیاب کرے۔ مجھے امید ہے کہ خدا میری دعا قبول کرے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو عبداللہ! خدا کی معرفت اور نور خدا، اس طرح کی رفت وآمد، دوسروں کے دروازوں پر دستک دینے اور ان کے ان کے پاس آنے جانے سے حاصل نہیں ہوا کرتا، اس نور کو کوئی دوسرا تمہیں نہیں دے سکتا ہے۔ یہ علم تو سیکھنے کی چیز نہیں ہے، یہ تو ایسا نور ہے کہ خداوند عالم جب اور جس کے لئے چاہے ہدایت کرتا ہے اور اس بندے کے دل میں داخل کر دیتا ہے۔ اگر تم اس طرح کی معرفت کے خواہاں ہو تو عبودیت اور بندگی کی حقیقت کو اپنے باطنی دل اور روح کے اندر تلاش کرو اور اس کو اپنے اندر وجود میں لاؤ، علم کو عمل کے ذریعہ چاہو۔ خداوند عالم سے چاہو اور مانگو، وہ خود ہی تمہارے دل پر نازل کر دے گا۔[۴۴]

⚬⚬⚬

عرصہ ہو رہا تھا کہ مدینہ میں خشک سالی کی وجہ سے گیہوں اور جو کی بہت زیادہ کمی ہو گئی تھی، گیہوں اور روٹی کی قیمت میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا سبھی لوگ تشویش اور پریشانی میں مبتلا تھے۔ وہ امیر لوگ کہ جنھوں نے اپنے سال

---

[44] مدرک بالا، ص: ۲۳۹۔

بھرکے لائق خوراک کا ذخیرہ کر رکھا تھا، وہ اس فکر میں تھے کہ کہیں یہ ختم نہ ہو جائے۔ جن لوگوں نے ذخیرہ نہیں کیا تھا وہ اس فراق اور کوشش میں تھے کہ کسی بھی قیمت پر ہو، اپنے لئے غذا و خوراک فراہم کر سکیں۔ اس درمیان غریب و لاچار لوگ زیادہ پریشان و مضطرب تھے۔ کیونکہ وہ مجبور تھے کہ اپنی روٹی اور رزق کو روزانہ حاصل کریں اور ان کے پاس گیہوں خرید کر ذخیرہ کرنے کی سکت نہیں تھی۔

ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے منشی "معتب" سے پوچھا: کیا اس برس ہمارے پاس گیہوں ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ہاں یا بن رسول اللہؐ، ہمارے پاس گیہوں کا ذخیرہ اتنا زیادہ ہے کہ کئی مہینوں کے لئے کافی ہوگا۔

امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہ گیہوں فوراً بازار میں لیجا کر فروخت کرو تاکہ غریب اور ضرورتمند لوگ اس کا فائدہ اٹھا سکیں۔

"معتب" نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ آپ بخوبی واقف ہیں کہ آج کل مدینہ میں گیہوں کی بہت قلّت ہے، اگر ہم ابھی فروخت کردیں گے تو پھر دوبارہ ضرورت کے وقت نہیں خرید پائیں گے۔

امام علیہ السلام نے سختی کے ساتھ تاکید کی کہ ضرور بیچا جائے اور اس سلسلہ میں ان کے حکم کی تعمیل ہو، انہوں نے بھی امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کی اور نتیجہ سے امام عالیمقام کو باخبر کردیا۔ امام علیہ السلام نے یہ حکم دیتے ہوئے کہ آج کے بعد سے گھر کے لئے ہر روز بازار سے روٹیاں خرید کرلائی جائیں۔ یہ فرمایا کہ ان کے گھر کی روٹی میں دوسروں کی روٹی کے ساتھ جو کہ لوگ خریدتے ہیں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی امام علیہ السلام نے یہ بھی حکم دیا کہ آج کے بعد سے ان کے گھر کی روٹی میں آدھا گیہوں اور آدھا جو ہونا چاہیئے اور جب تک کہ لوگوں اور بازار کے حالات ٹھیک نہیں ہوجاتے یہ سلسلہ یونہی جاری رہنا چاہیئے۔ آخر میں امام علیہ السلام نے فرمایا: الحمد للہ میرے اندر اتنی طاقت و توانائی ہے کہ پورے سال گیہوں کی روٹی اپنے گھر والوں کے لئے فراہم کروں،

لیکن ایسا کام نہیں کروں گا تاکہ خداوندعالم کے حضور میں اندازے کے بقدر، معیشت اور رزق کے رکھنے کے مسئلہ کالحاظ رکھ سکوں۔[45]

پرانے زمانے میں معمول یہ تھا کہ اگر خلفاء اور امیر و دولتمند لوگ جب حمام کرنے یا نہانے جاتے تھے تو پورا حمام ان کے لئے مخصوص ہوجایا کرتا اور عام لوگوں کو استعمال کی اجازت نہیں ہوا کرتی تھی، اس ظالمانہ رسم کو ظالم و جابر عباسی اور اموی خلفاء نے رائج کیا تھا، چونکہ یہ کام رسول خداؐ کی اور حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کی سیرت کے خلاف تھا، اس لئے لوگ اس کو ناپسند اور برامانا کرتے تھے لیکن بتدریج اس کی قباحت جاتی رہی اور لوگوں کو بھی اس کی عادت پڑ گئی اور جب یہ پوری طرح سے معاشرے میں پھیل گیا تو سبھی امیروں کے درمیان یہ ناپسندیدہ کام رائج ہوگیا، ایک دن حضرت امام جعفر صادقؑ حمام گئے، اس کامالک بھی حسب عادت امام کی خدمت میں حاضر ہوا ادب کااظہار کیااور اجازت مانگی کہ امام علیہ السلام بھی مخصوص حمام سے فائدہ

[45] بحارالانوار، ج:۱۱، ص:۱۲۱

اٹھا سکیں اور کوئی دوسرا اس میں داخل نہ ہو! امام علیہ السلام نے مالک کو یہ کام کرنے سے روک دیا اور فرمایا: مؤمن اس سے کہیں زیادہ باوقار ہے کہ اس طرح کی چیزوں پر دھیان دے۔[۴۶]

"مفضل بن قیس" جو کہ حضرت امام صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غربت و تنگدستی نیز مشکلوں بھرے حالات کا شکوہ کرتے ہوئے لوگوں سے لئے گئے قرض اور انہیں نہ لوٹانے کی صلاحیت کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ میرے اخراجات زندگی زیادہ ہیں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ زندگی گذاری جاسکے۔ انہوں نے اپنے ساتھ پیش آنے والی پریشانیوں کی تفصیل بتاتے ہوئے اپنی حیرت و استعجاب اور کوئی راہ حل نہ ملنے سے پریشان ہو کر امام علیہ السلام کی خدمت میں آکر خداوند عالم سے دعا کرنے کی درخواست کی تاکہ ان کی پریشانیوں کا سد باب ہو سکے اور کوئی راستہ نکل پائے۔

---

[۴۶] داستان راستان، ج: ۲، ص: ۳۴۔

اس موقع پر عباسی خلیفہ منصور نے امام علیہ السلام کے لئے سونے کے چار سو دینار بھیجے تھے، انہوں نے اپنی کنیز کو وہ رقم لانے کو کہا، جب وہ لے کر آئی تو امام علیہ السلام نے اسے مفضل کو دیتے ہوئے فرمایا: اس تھیلی میں چار سو دینار ہیں کہ جس کے ذریعہ تمہاری زندگی میں مدد ملے گی۔

مفضل نے وہ تھیلی لی، شکریہ ادا کیا اور کہا: میں نے جو پریشانیاں آپ کی خدمت میں بیان کیں، اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ آپ سے مالی مدد مانگوں میں نے تو بس اس لئے کہا تاکہ آپ دعا فرمائیں کہ میری پریشانیاں ختم ہو جائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے میں دعا بھی کروں گا تاہم میری یہ نصیحت بھی گوش گزار کرلو کہ اپنی پریشانیاں لوگوں کے سامنے بیان نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس کا پہلا اثر یہ ہوگا کہ تمہاری طرف سے یہ ظاہر ہوگا کہ میدان زندگی میں تمہیں شکست ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو جاؤگے اور ان کی نظروں میں تمہاری شخصیت اور احترام و تکریم کا خاتمہ ہو جائے گا۔[۴۷]

---

[۴۷] مدرک بالا، ص: ۴۴

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک شاگرد اور صحابی، ''عبدالملک بن اعین'' یہ بہت ذہین اور دانشور انسان تھے، انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی تھی، تاہم انسانوں کی زندگی میں نجوم اور ستاروں کے اثرات پر پختہ یقین رکھتے تھے، انہوں نے اس سلسلہ میں کتابیں بھی بہت زیادہ ذخیرہ کررکھی تھیں اور ان سب کا بغور مطالعہ بھی کیا تھا، وہ دن و رات اور لمحات کے اچھے برے ہونے اور نحس و سعد کے بہت زیادہ معتقد تھے اور جو کام بھی انجام دینا چاہتے تھے، سب سے پہلے ستاروں کی حرکت کا مطالعہ کرتے اور وقت کے اچھا یا بُرا ہونے کا جائزہ لیتے تھے۔ اگر نحس ہوتا تو وہ اس کام کے کرنے سے گریز کیا کرتے تھے۔

ایک دن انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ ان فضول باتوں اور خرافات نے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں اور ان کی زندگی اجیرن بنتی جارہی ہے اور اس سلسلہ میں انہیں یہ وسواس کھائے جارہا ہے اور ان کے اندر ایک بیماری کی صورت اختیار کرکے کھوکھلا بناتا جارہا ہے۔ اس بیماری سے نکلنے کی جتنی بھی کوشش کی

انہیں کامیابی نہیں ملی۔ اس لئے سوچا کہ اچھا ہوگا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس جاکر ان سے صلاح و مشورہ کیا جائے ان سے اس سلسلہ میں مدد لی جائے جب امام علیہ السلام سے اپنے حالات بتائے تو امام علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا: کیا تم ان چیزوں پر عقیدہ رکھتے ہوئے ان پر عمل کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں یا بن رسول اللہؐ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ابھی یہاں سے اپنے گھر جاؤ اور ان تمام کتابوں کو جلا کر راکھ کردو۔

عبدالملک نے حکم کی تعمیل کی، امام علیہ السلام کے حکم نے ان کے دل کو طاقت بخشی اور ارادہ مضبوط کردیا۔ فوراً اٹھے اور ان تمام کتابوں کو نذر آتش کردیا اور ہمیشہ کے لئے خود کو آسودہ کردیا۔[۴۸]

---

[۴۸] وسایل، ج: ۲، ص: ۱۸۱

ایک مکی آدمی جو مدینہ میں رہا کرتا تھا، ایک دن وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعاون و مدد کی درخواست کی اس نے ایک آدمی کو اپنا کوئی مال کرایہ پر دیا تھا اور کرایہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں اختلاف پیش آیا تھا۔ ایسے موقع پر ''صفوان'' امامؑ کے پاس موجود تھے، امام علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ فوری طور پر اپنے ایمانی بھائی کی مدد کے لئے اقدام کرو۔

''صفوان'' اس آدمی کے ساتھ وہاں سے نکلے اور کرایہ دار کے پاس جاکر دونوں کی باتیں سنیں اور ان کا جھگڑا سلجھا دیا۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوگئے، صفوان اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے بعد امام علیہ السلام کے پاس لوٹ آئے، امام عالیمقام نے پوچھا: کیا ہوا؟

صفوان نے عرض کیا: خدا نے ان کی اصلاح کردی۔

امامؑ نے فرمایا: صفوان، تم نے جو چھوٹا سا کام انجام دیا ہے اور ایک مؤمن کی ضرورت کو پورا کیا ہے، اس کا اجر وثواب، خداوند عالم کے نزدیک خانۂ کعبہ کے سات مرتبہ طواف کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے صفوان کو ایک واقعہ بتاتے ہوئے فرمایا: ایک آدمی کو کوئی پریشانی تھی وہ حضرت

امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مدد کا خواہاں ہوا، امام حسن علیہ السلام اس کی ضرورت کو سن کر اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے بغیر کسی تاخیر کے گھر سے نکل پڑے۔ راستہ میں امام حسن علیہ السلام کا سامنا ہوا، جو حالت نماز میں تھے، امام حسنؑ نے اس آدمی سے فرمایا: تم نے امام حسین علیہ السلام سے مدد کیوں نہیں لی اور اس بات سے غافل ہوگئے؟

سب سے پہلے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں ہی جانے والا تھا لیکن لوگوں نے منع کیا اور کہا کہ وہ اعتکاف کی حالت میں ہیں، اس لئے میں ان کے پاس نہ جا کر آپ کے پاس چلا آیا۔

امام حسن علیہ السلام نے جواب دیا، اگر حسینؑ کو تمہاری مدد کی توفیق حاصل ہو گئی ہوتی اور انہوں نے تمہاری حاجت پوری کر دی ہوتی تو، ان کا یہ عمل ایک مہینہ کے اعتکاف سے زیادہ بہتر ہوتا۔[۴۹]

---

[۴۹] کافی، ج: ۲، ص: ۱۹۸۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے خادم "مصادف" کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس آرہے تھے۔ راستہ میں صحرا سے گذر ہوا، ہوا بہت ہی گرم اور چبھن پیدا کرنے والی تھی، راستہ میں ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک پیڑ کی ڈالی پر گراپڑا ہے، چونکہ حالات غیر معمولی اور اضطراری تھے، امام علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: چلو اس آدمی کی طرف چلتے ہیں ہو سکتا ہے کہ پیاسا ہو اور پیاس کی شدت نے اسے نڈھال کر دیا پھر یہ لوگ قریب گئے۔ اس آدمی نے امام علیہ السلام کو دیکھ کر اپنا سر اٹھایا، اس کے ہونٹ سوکھ گئے تھے، پپڑی جمی ہوئی تھی، امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کیا تم پیاسے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے مصادف کو حکم دیا کہ گھوڑے سے اترو اور اس آدمی کو پانی پلاؤ خادم نے حکم کی تعمیل کی، گھوڑے سے اترنے کے بعد پانی کا مشکیزہ اس کے منہ سے لگاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا، لباس اور اس کی وضع قطع سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ہے، آدمی کی پیاس بجھ گئی اور اس نے شکریہ ادا کیا۔ امامؑ اور مصادف وہاں سے دور نکل آئے تب خادم نے امام علیہ السلام سے پوچھا: کیا عیسائی کو صدقہ دینا جائز ہے؟ اور امام علیہ السلام

نے بھی جواب دیا، ضرورت کے موقع پر جیساکہ ابھی ہوا، ہاں ایسا کرنا جائز ہے۔[۵۰]

"سیابہ کوفی" نامی شخص، بہت ہی مؤمن اور اہل بیت علیہم السلام کے چاہنے والوں میں سے تھے تاہم بہت ہی غریب اور تنگدست تھا جو کہ اسی سبب دنیا سے بھی چل بسا، اس پسماندگانمیں "عبدالرحمٰن" نامی بیٹا اور بیوی تھی۔ عبدالرحمٰن جو کہ نوجوان لڑکا تھا، زندگی کے اخراجات پورے کرنے کی غرض سے کام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ بھر سکے۔ یہ سوچ کر وہ کام کی تلاش میں نکلا۔ لیکن جتنی بھی کوشش کی اسے اس امر میں کامیابی نہ ملی اور تھک ہار کر گھر واپس آگیا۔ وہ بہت ہی دکھی اور پریشان تھا، باپ کی موت کا صدمہ ، غربت و تنگدستی اور بے روزگاری کے علاوہ گھر میں بیکار بیٹھنے کی وجہ سے وہ ٹوٹ سا گیا تھا۔

---

[۵۰] وسایل، ج: ۲، ص: ۵۰

ایک دن وہ گھر میں ہی تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی، دروازہ کھولا۔ اس کے باپ کا ایک دوست اس سے ملاقات کرنے آیا تھا، اس آدمی نے اس کے باپ کے مرنے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اسے پرسا دیا، تسلی، دلاسہ دینے کے بعد لڑکے سے پوچھا: کیا تمہارے باپ نے بطور میراث کوئی ترکہ وغیرہ چھوڑا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: نہیں۔

اس آدمی نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی اور اس لڑکے کو دیتے ہوئے بولا: اس میں ایک ہزار درہم ہیں، اس کو حفاظت سے اپنی مرضی کے مطابق کام میں بطور سرمایہ لگاؤ لیکن خیال رکھنا کہ یہ برباد نہ ہو!

اس آدمی کے جانے کے بعد عبدالرحمٰن خوشی خوشی اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے بھی اس کو نصیحت کی کہ اس آدمی کی کہی ہوئی بات پر دھیان رکھتے ہوئے اس پونجی سے کوئی اچھی سی تجارت کرے۔

عبدالرحمٰن نے بھی ان باتوں پر توجہ دیتے ہوئے بازار میں جا کر ایک دکان کرایہ پر لی اور اس میں کچھ سامان رکھ کر کام میں لگ گیا۔ ابھی زیادہ وقت بھی نہیں گذرا تھا کہ اس کی دکانداری چل پڑی خریداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتے ہی

اچھا خاصا منافع ہونے لگا، اس کے کاروبار نے ترقی و رونق حاصل کرلی، پھر تو جیسے اس کی زندگی بدل گئیاس کی ماں کی زندگی میں خوشحالی وامیری اور عیش و آرام نے اپناڈیرا جمالیا۔

ایک دن وہ بیٹھا سوچ رہا تھاکہ کیوں نہ خانہ خدا کی زیارت سے شرفیاب ہوا جائے، بیٹھ کر حساب کیا، دیکھا کہ اس مختصر سے عرصہ میں اس نے کئی ہزار درہم منافع کمایا ہے۔ اس رات اس بارے میں اس نے اپنی ماں سے صلاح و مشورہ کیا۔ اس کی ماں نے اس سے کہا: اب جب کہ تمہارے پاس پیسے آگئے ہیں، پہلے اس آدمی کا قرض چکاؤ جس نے کہ تمہیں کاروبار کے لئے دیا تھا اور اس کے پیسہ کی وجہ سے تمہیں یہ برکت نصیب ہوئی ہے، اس کو واپس کردو پھر مکہ کاارادہ کرو۔

عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ ماں کا کہنا بالکل بجا ہے۔ وہ اپنے باپ کے دوست کے پاس گیا اور ایک ہزار درہم کی تھیلی اسے دیتے ہوئے بولا: مہربانی کرکے آپ اپنی امانت واپس لے لیں۔ اس آدمی نے سوچا کہ شاید اس لڑکے کو کاروبار کے لئے

اتنی رقم کم پڑ گئی ہے اس لئے واپس کرنے آیا ہے، اس لئے اس نے کہا: اگر اتنی رقم کاروبار کے لئے کم ہے تو اور زیادہ دیدوں کہ کوئی مناسب کاروبار کر سکو؟

اس لڑکے نے کہا: جی نہیں، یہ رقم کم نہیں تھی، اس میں تو بہت برکت تھی، میں نے اس سے کاروبار کیا اور ابھی اسی کی بدولت میرے پاس اچھا خاصا سرمایہ جمع ہو گیا ہے اور اب مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو آپ کو یہ رقم واپس کرنے کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں نے حج بجالانے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا جانے سے پہلے یہ قرض چکا دینا چاہتا ہوں تاکہ کسی کا قرض مجھ پر واجب الادا نہ رہے۔

وہ آدمی بہت خوش ہوا اور اپنے پیسے واپس لے لئے۔ اس لڑکے نے بھی سامان سفر باندھا اور زیارت کے لئے مکہ روانہ ہو گیا۔ خانہ خدا کی زیارت اور اعمال حج بجالانے کے بعد دیگر لوگوں کے ساتھ زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے لئے مدینہ روانہ ہو گیا پھر وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں شرفیاب ہوا، اس دن ان کے بیت الشرف پر بہت زیادہ بھیڑ تھی اور کافی تعداد میں لوگ زیارت کے

لئے حاضر ہوئے تھے۔ وہ لڑکا صف میں سب کے آخر میں کونے میں بیٹھ گیا۔ لوگ آتے گئے۔ امام علیہ السلام سے مصافحہ کرکے جاتے گئے، لوگوں نے کچھ کہا اور نصیحتیں سنیں، حدیثیں سنیں اور وہاں سے چلے گئے جب سب لوگ چلے گئے تب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس لڑکے کو آواز دی، وہ لڑکا قریب آیا، امام علیہ السلام نے پوچھا: تمہیں کوئی کام ہے؟ اس نے عرض کیا: میں "سیابہ کوفی" کا لڑکا "عبدالرحمٰن" ہوں۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: تمہارے والد کیسے ہیں؟ اس نے کہا: میرے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔

امام علیہ السلام کو افسوس ہوا اور فرمایا: خداوند عالم ان کی مغفرت فرمائے، کیا انہوں نے کوئی ترکہ یا ورثہ وغیرہ چھوڑا ہے؟

لڑکے نے کہا: جی نہیں انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا تھا، امام علیہ السلام نے فرمایا: تو پھر تم نے حج کیسے کیا؟ پھر لڑکے نے اپنی زندگی میں گذرے تمام واقعات بیان کئے اور بات اعمال حج اور زیارت تک پہنچی یہاں پر امام علیہ السلام نے اس کی

بات کاٹتے ہوئے فرمایا: یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے والد کے دوست کے ایک ہزار درہم کا کیا کیا؟

اس نے عرض کیا کہ: ماں نے مشورہ دیا، لہٰذا حج کے سفر سے پہلے، اس رقم کو لوٹا دیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: شاباش، کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں نصیحت کروں؟ اس نے کہا: جی ہاں، میری خوش نصیبی ہوگی۔

امامؑ نے فرمایا: تم صداقت و درستی کو اپنا نصب العین بناؤ، سچا اور راستباز آدمی، ہمیشہ ہی لوگوں کے مال میں شریک ہوتا ہے۔[۵۱]

جب "زرارہ بن اعین" کے بھائی "عبدالاعلیٰ" کوفہ سے جانب مدینہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لئے عازم سفر ہوئے تو امام علیہ السلام کے چاہنے والوں اور شیعہ لوگ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے پاس

[۵۱] شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار، ج: ۲، مادۂ "عبد"

گئے اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے جو سوالات پوچھنے تھے اسے مکتوب کرکے لائے تھے تاکہ امامؑ کا جواب پاسکیں، اسی طرح زبانی بھی کچھ سوالات بیان کئے اور ان سے درخواست کی کہ امام علیہ السلام کی خدمت میں جب حاضر ہوں توان کا جواب لے کرآئیں، وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے سلسلہ میں کیا فریضہ ہے؟

عبدالاعلیٰ مدینہ میں داخل ہوتے ہی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور لوگوں کے تحریری صورت میں کئے گئے سوالات اور زبانی سوالات پیش کئے۔امام علیہ السلام نے سبھی تحریری سوالات کے جوابات دیئے لیکن زبانی سوالوں کا جواب نہیں دیا۔

''عبدالاعلیٰ'' نے سوچا ہوسکتا ہے کہ زبانی سوالوں کا جواب امامؑ دوسرے دنوں میں دیں، عبدالاعلیٰ جب تک مدینہ میں رہے امامؑ کی خدمت میں شرفیابی کا سلسلہ جاری رہا اور وہ جب بھی ملاقات کے لئے جاتے حضرتؑ کی جانب سے جواب کا انتظار کرتے، تاہم مایوسی ہوتی تھی۔ بالآخر مدینہ سے آب ودانہ اٹھا اور کوفہ جانے کا وقت آگیا۔ عبدالاعلیٰ امام علیہ السلام کی خدمت میں خداحافظی کے

لئے حاضر ہوئے اور چونکہ آخری مرتبہ امام کو دیکھ رہے تھے اس لئے ایک بار پھر بلا جواب رہ گئے اپنے سوالوں کو دہرایا اور کہا: اے فرزند رسولؐ! اس دن کے سوالوں کا جواب نہیں ملا!

امام علیہ السلام نے جواب دیا: میں نے جان بوجھ کر ان سوالوں کا جواب نہیں دیا، عبدالاعلیٰ نے پوچھا: ایسا کیوں؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر حقیقت بیان کر دوں اور تم لوگ عمل نہ کرو تو ہو سکتا ہے کہ دین سے خارج ہو جاؤ۔

پھر امام علیہ السلام نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: یقیناً خدا کے بندوں کے سلسلہ میں الٰہی فرائض میں تین چیزیں جو بہت مشکل ہیں، یہ ہیں:

پہلا: خود اور دوسروں کے درمیان عدل و انصاف کو اس طرح سے ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ دوسروں سے توقع رکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ سلوک کریں۔

دوسرے یہ کہ اپنا مال دوسرے مسلمان بھائی کو دینے سے گریز و مضائقہ نہ کرے اور ان کے ساتھ برادرانہ و مساوات پر مبنی سلوک کرے۔

اور تیسرے یہ کہ سبھی حالات و مواقع پر خداوند عالم کو یاد رکھنا، تاہم خدا کو یاد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" ہی کہتا رہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کا سلوک و برتاؤ اس طرح سے ہو کہ کسی بھی حرام کام کے مقابلہ میں خدا کی یاد جو کہ ہمہ وقت اس کے دل میں رہتی ہے، اسے حرام کام کرنے سے روکے۔[۵۲]

"زکریا بن مسیحی" نامی جوان کوفہ میں رہا کرتا تھا، اس کے والدین سمیت سبھی اعزہ و اقارب عیسائی تھے۔ اس کا ذہن جستجو کی تلاش میں رہا کرتا تھا، اس نے دین اسلام کے سلسلہ میں تحقیق کی اور چونکہ اس کا ضمیر پاک و بے لاگ تھا، بہت جلد اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اس کے اندر اسلام سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے اور اس نے

---

[۵۲] کافی، ج: ۲، ص: ۱۷۰۔

اس کے قوانین کو فطرت و ضمیر کے مطابق پایا۔ اس لئے اس نے اپنے والدین کی مرضی کے برخلاف دین اسلام قبول کرلیا۔ حج کا موقع آیا اور اس نو مسلم جوان نے زیارت خانۂ خدا کے قصد سے کوفہ کو خیر باد کہا اور مکہ جانے سے پہلے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کی غرض سے مدینہ آیا اور اپنے اسلام لانے کا واقعہ امام علیہ السلام کو بیان کیا۔

امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: کس چیز نے تمہیں اسلام کی جانب متوجہ و مبذول کیا؟

اس نے کہا: خداوند عالم قرآن مجید میں اپنے پیغمبرؐ سے فرماتا ہے: اے پیغمبرؐ آپ پہلے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس قرآن کے ذریعہ جو کہ آپ پر وحی کی ہے ایک ایسا نور قرار دیا ہے کہ جس کے ذریعہ جس کی بھی چاہیں راہنمائی کر سکتے ہیں، یہ آیت مجھ پر صادق آتی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تصدیق کرتا ہوں کہ تم صحیح کہہ رہے ہو خداوند عالم نے واقعی میں تمہاری ہدایت کر دی ہے۔

اس کے بعد حضرت نے تین مرتبہ فرمایا: خدایا! تو ہی اس کی راہنمائی فرما!

اس دعا کے بعد فرمایا: میرے بیٹے اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ سکتے ہو۔

اس نے عرض کیا: میرے والدین اور خاندان والے سبھی لوگ عیسائی ہیں، میری ماں نابینا ہے، میں ان لوگوں کے ساتھ رہتا ہوں کھانا وغیرہ بھی انہیں کے ساتھ کھاتا ہوں، ایسی حالت میں میری ذمہ داری کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا وہ لوگ سوّر کا گوشت استعمال کرتے ہیں؟

اس نے کہا: نہیں یابن رسول اللہؐ، وہ لوگ سوّر کے گوشت کو تو ہاتھ بھی نہیں لگاتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر ان کے ساتھ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس کے بعد امام عالیمقام نے فرمایا: تم اپنی ماں کا خیال رکھنا۔ جب تک وہ زندہ ہیں ان کے ساتھ نیکی و بھلائی کرتے رہو، جب ان کا انتقال ہو جائے تو تم ہی ان کی تجہیز و تکفین کرنا اور کسی کو یہ بھی نہ بتانا کہ تم نے مجھ سے ملاقات کی ہے۔ میں بھی مکہ آرہا ہوں اور منیٰ میں ہم ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

وہ جوان مکہ گیا اور منیٰ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کی۔ لوگوں کی کثیر تعداد نے امام علیہ السلام کے آس پاس اجتماع کر رکھا تھا۔ ان سب کے پاس سوالات تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے انہیں کوئی گمشدہ چیز مل گئی ہو، وہ سبھی اپنے سوالوں کا جواب چاہتے تھے حج کے اعمال اختتام پذیر ہوئے، وہ جوان کوفہ لوٹ آیا، اس نے امامؑ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنی ماں کے ساتھ پہلے سے زیادہ شفقت مہربانی اور نیک سلوک کرنا شروع کر دیا، ماں کے ساتھ بیٹے کے حد سے زیادہ مشفقانہ سلوک نے شک میں ڈال دیا، اسی لئے ایک دن وہ اپنے بیٹے سے پوچھ ہی بیٹھی۔ بیٹے قبل اس کے کہ تم مکہ جاؤ اور مسلمان ہونے سے پہلے، باوجود اس کے کہ میرے ہم مذہب تھے لیکن میرے ساتھ اس قدر مہربانی نہیں کرتے تھے، لیکن اب جب کہ تمہارا اور میرا دین فرق کرتا ہے، ہمیشہ ہی میرے ساتھ زیادہ محبت سے پیش آتے ہو، اس کی وجہ کیا ہے؟

میری مادر گرامی، ہمارے نبیؐ کے جانشین نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس کی ماں نے پوچھا: کیا وہ آدمی بھی نبی اور خدا کا مبعوث کردہ ہے؟

لڑکے نے کہا: نہیں، وہ نبی نہیں ہیں۔ نبی کریمؐ کی اولاد میں سے ہیں۔

ماں نے کہا: لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی خدا کا بھیجا ہوا ہے، کیونکہ اس طرح کے اخلاقی احکام لوگوں کو صرف انبیاء ہی دے سکتے ہیں۔

لڑکے نے کہا: نہیں، یقیناً وہ نبی نہیں ہیں، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے۔

ماں نے کہا: میرے بیٹے، تمہارا دین سبھی دینوں سے بہتر ہے، تم بتاؤ کہ مسلمان ہونے کے لئے کیا کرنا ہوگا تاکہ میں بھی مسلمان ہو جاؤں۔ لڑکے نے خوشی خوشی اپنی ماں کو کلمۂ شہادتین کی تعلیم دی۔ اس بوڑھی نابینا عورت نے شہادتین کی تکرار کی اور مسلمان ہو گئی۔ اس دن اپنے بیٹے کے ساتھ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نماز پڑھی۔ رات کے آخری پہر اس کی حالت بگڑ گئی اور بستر پر گر گئی۔ حکیم آیا اور معائنہ کرنے کے بعد اس عورت کے سلسلہ میں بتایا کہ زندگی کی آخری سانسیں لے رہی ہے۔ اب اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں ہے۔

اس بوڑھی عورت نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بیٹے سے کہا کہ شہادتین اور اسلام کے دوسرے اصول و عقائد کو ایک بار پھر اس کے لئے دہرائے

لڑکا بتاتا جارہا تھااور بوڑھی عورت اپنی زبان سے ان کا اعادہ کرتی جارہی تھی، اس کے بعد عورت نے آنکھیں بند کیں اور ہمیشہ کے لئے اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کردی۔

دوسرے دن صبح کو، لڑکے نے خود سے کفن و دفن کے سبھی امور انجام دیئے، مسلمانوں نے جنازے میں شرکت کی، جوان نے اپنی ماں کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور اسے سپرد لحد کردیا۔

اس طرح سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اخلاقی احکامات بوڑھی عورت کے لئے باعث ہدایت بنے اور دین اسلام سے اس کے دل کو روشنی اور جلا حاصل ہوئی۔ [۵۳]

---

[۵۳] مدرک بالا، ص: ۱۶۰۔

علم امامؑ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بنی امیہ کی حکومت کے آخری دور اور حکومت بنی عباس کے آغاز کے موقع پر جو کہ بنی امیہ و بنی عباس کے درمیان جھڑپوں اور دونوں ظالموں کے آپس میں الجھنے کا دور تھا، کہ جس کی باعث گھٹن کے ماحول میں فطری طور سے کمی واقع ہوئی تھی، موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مذہبی و علمی تحریک کو اس طرح سے پھیلا دیا کہ مدینہ عملی طور سے ایک ایسی علمی درسگاہ میں تبدیل ہو کر رہ گیا کہ جس میں امام علیہ السلام کے ہزاروں شاگردوں اور تشنگان علم و تحقیق نے مختلف علوم میں ان سے فیض کامل حاصل کیا۔ اسلامی سرزمینوں میں امام علیہ السلام کی علمی شہرت بڑی حیران کن اور قابل ملاحظہ تھی اور امام عالیمقام کے پر فیض درس کا جلوہ اسی طرح زبان زد خاص و عام ہوا کہ اسلامی سرزمینوں کے دور دراز علاقوں سے لوگ فیض اٹھانے کے لئے مدینہ آکر حضرت کی درسگاہ سے فیض اٹھانے لگے۔ یہاں تک کہ غیر اسلامی مفکرین بھی حضرت کے علوم الٰہیہ سے مستفید، بحر علم سے فیض اٹھانے اور علمی بحث و مباحثہ کے لئے شرفیاب ہوا کرتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مختلف فرقوں اور عقیدہ رکھنے والوں کے مناظروں اور ان کے جوابات کی شروح اس دور کے اسلام اور اس صدی کی علمی تاریخ کے سب سے دلچسپ اور زریں ابواب اور صفحات پر مشتمل ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ امام علیہ السلام کے زیادہ تر جوابات، وقت کے تقاضوں اور حالات کو دیکھتے ہوئے نیز سوال کرنے والے کی طرز فکر اور سمجھ کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے بعض جوابات، بحث کرنے والے کی دلیلوں کے بطلان پر مبنی ہوتے تھے کہ جن سے ان لوگوں کی باتوں کی کمزوری آشکار ہوتی ہے۔اسی طرح بعض جوابات سوال کرنے والے کے فکری محرک کو وجود میں لانے کے لئے ہوا کرتے تھے، البتہ بہت سے مواقع پر جوابات علمی و منطقی ہوا کرتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سبھی جوابوں اور مناظروں کو اگر ایک جگہ مجتمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی لہٰذا ہم نے کوشش کی ہے کہ صرف ان چنندہ جوابوں کا ذکر کریں جو کہ آسان اور جوانوں کے لئے زود فہم ہوں کہ جن کے سمجھنے میں زیادہ پریشانی اور الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اس کے

بعد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے توحید کے سلسلہ میں اپنے شاگرد "مفضل" کو لکھے گئے رسالے کا ذکر کریں گے۔

"ابو منصور" کہتے ہیں: میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ "ابن ابی العوجا" اور "عبداللہ بن مقفع" جو کہ دونوں ہی بے دین و کافر دانشور تھے، مکہ کی مسجد الحرام میں بیٹھے تھے۔ ابن مقفع نے کہا: ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے حاجیوں کے اس غول کی طرف اشارہ کیا جو کہ طواف میں سرگرم تھے، انہیں انسان کہنا بالکل مناسب نہیں ہے، لیکن صرف وہ آدمی جو کہ بوڑھا ہے اور اس طرف بیٹھا ہے۔ (اس کا اشارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف تھا) اس کے علاوہ سبھی پست فطرت جانور ہیں!"

ابن ابی العوجا نے پوچھا: ان سب لوگوں کے درمیان صرف اسی آدمی کو کیوں انسان سمجھتے ہو؟

''ابن مقفع'' نے کہا: کیونکہ میں نے اس کے اندر فضل و کرم اور دانش و عظمت کی ایسی نشانیاں دیکھی ہیں کہ اس کی طرح دوسروں میں نشانیاں دیکھنے میں نہیں آتی ہیں۔

''ابن ابی العوجا'' نے کہا: میں خود اس آدمی سے بحث و مناظرہ کروں گا تاکہ تمہارا دعویٰ ثابت ہوسکے۔

''ابن مقفع'' نے کہا: تم اس کام سے باز آجاؤ، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر اس سے گفتگو کروگے تو ممکن ہے کہ جو کچھ کہ تمہارے پاس ہے، سب کچھ گنوا بیٹھو (یعنی ممکن ہے کہ تم جو کہ خدا اور دین کے قائل نہیں ہو، اپنے عقیدے سے پیچھے ہٹ جاؤ)

''ابن ابی العوجا'' بولا: نہیں تمہارا مقصد یہ نہیں ہے، بلکہ تم نہیں چاہتے کہ میں اس سے ملاقات کروں تو تم نے جو غلط بیانی کی ہے وہ آشکار نہ ہوجائے اور تمہارا جھوٹ پکڑا نہ جائے۔

''ابن مقفع '' نے کہا: اب جب کہ تم میرے بارے میں ایسا سوچتے ہو تو ٹھیک ہے جاؤ لیکن بہت محتاط رہنا، کہ کہیں تمہارے ثبات میں تزلزل نہ ہو جائے اور اپنا اختیار نہ کھو بیٹھو ورنہ مکمل طور سے اس کے قبضہ میں چلے جاؤ گے۔

جو کچھ کہ کہنا چاہو، پوری طرح سوچ سمجھ کر کہنا۔ اس بات کا خیال رکھ کر بولنا کہ کونسی بات تمہارے مفاد میں ہے اور کونسی نقصان میں ہے۔ جانے سے پہلے جو کچھ کہ بولنا ہے اچھی طرح سے مشق کر لینا تا کہ بات کرتے وقت خود کو الجھن میں مبتلا مت کر لینا۔

ابن ابی العوجا امام علیہ السلام سے ملاقات کرنے چلا گیا، میں اور ابن مقفع اپنی جگہ بیٹھے رہے اور جب وہ واپس آیا تو بولا: اے مقفع ! وائے ہو تجھ پر: تو نے تو کہا تھا کہ وہ انسان ہے لیکن میں نے تو دیکھا کہ وہ بشر کی نوعیت میں سے نہیں ہے۔ اگر دنیا میں کوئی واحد فرد ہو کہ جب چاہے محض روح ہو اور جب چاہے کہ انسانی جسم کی شکل میں دیکھا جائے تو، یہ وہی آدمی ہے۔

ابن مقفع نے کہا: لیکن ہوا کیا؟

ابن ابی العوجا بولا: میں ان کے پاس گیا اور بیٹھ گیا، جب سب لوگ چلے گئے تو ہم دونوں اکیلے رہ گئے، انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور فرمایا: اگر دین و ایمان کی بات یہ ہو کہ جیسا کہ یہ لوگ جو کہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں، ایسا کہتے ہیں کہ ویسا ہی ہے جیسا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ یعنی خدا اور دین و آخرت بر حق ہے، تو ایسی صورت میں یہ لوگ صحت و سلامتی کی راہ پر چلے ہیں اور تم سعادت سے محروم رہ گئے ہو اور ہلاکت میں مبتلا ہوگے اور اگر بات ایسی جیسی کہ تم لوگ کہتے ہو یعنی خدا اور آخرت کچھ نہیں ہے، جب کہ ایسا بالکل نہیں ہے جیسا کہ تم لوگ کہا کرتے ہو تو ایسی حالت میں تم لوگ مسلمان جیسے ہو یعنی مسلمان جو کہ دین کے معتقد ہیں وہ ہلاکت میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں کیونکہ بفرض محال اگر مان بھی لیں کہ خداوآخرت کا وجود نہ ہو اور جیسا کہ بے دین لوگ کہا کرتے ہیں کہ موت کے بعد سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا ہے، پھر بھی مسلمانوں نے کوئی نقصان نہیں اٹھایا ہے اور ان کی عاقبت بے دین لوگوں جیسی ہو گی۔

ابن ابی العوجا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں نے کہا: خدا کی رحمت ہو آپ پر لیکن میں نے ایسا کیا کہا اور وہ لوگ کیا کہتے ہیں ہمارا عقیدہ ان سے مختلف نہیں ہے بلکہ ایک ہی ہے۔

انہوں نے فرمایا: تمہاری اور ان کی باتیں کیسے ایک ہو سکتی ہیں؟ جب کہ وہ لوگ معاد اور آخرت کی جزا نیز الٰہی مکافات و سزا اور آسمانی خدا کے معتقد ہیں وہ لوگ آسمانوں کو خدا کے وجود کی وجہ سے آباد سمجھتے ہیں جبکہ تم لوگ آسمانوں کو ویران سمجھتے ہو کہ اس میں کوئی نہیں رہتا ہے۔

وہ کہتا ہے میں نے بھی دیکھا کہ جب بات خدا کی آئی ہے تو موقع کو غنیمت اور مناسب جانتے ہوئے اپنے عقیدے کو اس طرح بیان کیا: ''اگر ایسا ہے جیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں، تو پھر خداوند عالم خود کو اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر کیوں نہیں کرتا ہے اور حاضر ہو کر اپنی پرستش کی دعوت کیوں نہیں دیتا تا کہ لوگ اس سلسلہ میں اختلاف نہ کریں؟ خدا خود کو پوشیدہ کیوں رکھتا ہے اور اپنی جگہ اپنے نبیوں کو کیوں بھیجتا ہے؟ اگر وہ خود آجاتا تو لوگوں کا اس پر ایمان لانا زیادہ موثر ہوتا!''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر وہ جس نے کہ تیرے وجود کے اندر اپنی طاقت و قدرت عطا کی ہے، تجھ پر کس طرح سے پوشیدہ ہے؟ نہ ہونے سے تیری پیدائش و وجود، بچپن سے تیری بزرگی، ناتوانی و عدم طاقت سے تیری توانائی، صحتمندی کے بعد تیری بیماری اور تیری بیماری کے بعد تیری صحتمندی، تیرے غیظ و غضب کے بعد خوشحالی و سرور، غم و اندوہ کے بعد تیری خوشی، تیری دشمنی کے بعد دوستی اور دوستی کے بعد دشمنی، سستی و ناتوانی کے بعد تیری پائیداری و ثبات و استحکام، بیزاری کے بعد تیری خواہش و چاہت اور تیری چاہت کے بعد سستی و عدم ثبات ! بے رغبتی و عدم رجحان کے بعد تیری رغبت و خواہش، ناامیدی کے بعد امید، امید کے بعد ناامیدی و مایوسی تیرے ذہن میں پہلے سے جو کچھ کہ نہ تھا اس سے آگاہی کا حاصل کرنا اسی طرح جو کچھ کہ پہلے سے تیرے ذہن میں تھا اس کو فراموش کرنا وغیرہ۔

انہوں نے اسی طرح خدا کی قدرت و خلقت کے آثار کو جو کہ میرے وجود میں ہے اور انکار نہیں کرسکتاہوں میرے لئے گنوائے اور مجھے ایسا احساس و گمان ہونے لگا جیسے کہ میرے اور ان کے درمیان خدا، ظاہر وآشکار ہو گیا ہو۔[54]

○○○

''عبداللہ دیصانی'' جو کہ خدا کو نہیں مانتا تھا، حضرت مام جعفر صادق علیہ السلام نے گھر آیا اور اجازت لے کر بیٹھ گیا اور عرض کیا: اے جعفر بن محمدؑ! مجھے میرے معبود کی دلالت پیش کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ دیصانی نے کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا! اس کے دوستوں کو جب واقعہ کی خبر ہوئی تو، کہنے لگے، تم نے اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟

اس نے کہا: اگر میں یہ کہتا کہ میرا نام ''عبداللہ'' ہے تو بے شک وہ یہی کہتے کہ یہ ''اللہ'' کون ہے کہ جس کے تم بندے ہو؟

---

[54] مدرک بالا، ج:۱، ص:۷۴۔

دوستوں نے مشورہ دیا کہ تم واپس جاؤ اور ان سے خدا کے بارے میں پوچھو اور کہو کہ نام نہ پوچھیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ ان کے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ میں انڈا تھا اور وہ اس سے کھیل رہا تھا، امام علیہ السلام نے وہ انڈا لے لیا اور فرمایا: اے دیصانی یہ ایک ایسی مضبوط حفاظتی دیوار ہے کہ جس پر مضبوط چھلکا چڑھا ہوا ہے اور اس مضبوط چھلکے کے بعد اور اندر ایک باریک تاہم بہت ہی مضبوط جھلی ہوتی ہے کہ جس کے اندر سنہرے رنگ کا گھول کہ جس میں چاندی کا سفیدی گھول مخلوط ہوتا ہے جو کہ دونوں ایک دوسرے بالکل الگ ہوتے ہیں اور وہ آپس میں ملتے نہیں ہیں اور اسی حالت میں باقی بھی رہتے ہیں۔ نہ تو اس کے اندر ایسی کوئی سلامت بخش چیز ہے جو باہر نکل کر سلامتی کی خبر دے اور نہ ہی اس کے اندر کوئی خراب ہونے اور فاسد ہونے والی چیز ہوتی ہے جو باہر نکل کر اس کے خراب ہونے کی خبر دے اور اس کے اندر کوئی چیز جا سکتی ہے جو اس کے اندر کے حالات اور خرابی کی ہمیں خبر دے سکے، کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ جو چیز کہ اس میں سے وجود میں آنے والی ہے وہ نر ہے یا مادہ، پھر وہ شگافتہ ہوتی ہے اور اس کے اندر

سے طاؤسی رنگ نکلتا ہے اس قدر حیرت انگیزی کے ساتھ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو خلق کرنے والا بھی کوئی ہے یا نہیں؟

دیصانی سوچ میں پڑ گیا، تھوڑی دیر تک چپ رہا اور پھر سر اٹھایا اور بولا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے۔ بس وہی معبود حقیقی ہے اور اس کا کوئی شریک و ھمتا نہیں ہے اور میں اسی طرح گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی اور بندے ہیں اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ لوگوں کے امام اور ان کے لئے حجت ہیں اور اپنی پچھلی باتوں اور اقدام سے شرمندہ ہوں اور ان سے توبہ کرتا ہوں۔[۵۵]

"ہشام" کا کہنا ہے: ایک زندیقی آدمی نے جو کہ حالت کفر میں تھا حضرت امام جعفر صادقؑ سے اپنے سوالوں کے ضمن میں پوچھا: خدا کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ سبھی اشیاء کے برخلاف چیز ہے اور اس کلام سے میرا مقصد، اس

[۵۵] مدرک بالا، ص: ۷۹۔

بات کا اثبات ہے اور یہ کہ وہ، حقیقت پر مبنی ایک چیز ہے بغیر کسی شئ کے (حقیقت میں ایسی چیز ہے جو کہ وجود رکھتی ہے) سوائے اس کے کہ اس کے نہ جسم ہے نہ شکل کہ جس کو نہ تو دریافت کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی لمس کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی حواس پنجگانہ سے اس کو محسوس کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہم و خیال کے ذریعہ اور نہ ہی اس کے اندر ہلاکت و نابودی کی گنجائش ہے کہ اس کے اندر کوئی نقصان وجود میں آتا ہے اور نہ ہی زمانے کی تبدیلی اس کے اندر وجود میں آسکتی ہے۔

اس نے پوچھا: کیا یہ کہتے ہیں کہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: وہ سننے اور دیکھنے والا ہے، وہ ایسا سننے والا ہے جو بغیر ذریعہ کے سنتا ہے اور دیکھنے والا ہے بغیر اس کے دیکھنے کا ذریعہ استعمال کرے بلکہ وہ از خود سنتا ہے اور خود دیکھتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بذات خود دیکھتا ہے اور بذات سنتا ہے، تو یہ ہو کہ وہ کوئی ایسی چیز ہے اور اس کا نفس وذات کوئی اور چیز ہے بلکہ اس عبارت کو سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ بنابریں یہی وجہ ہے کہ کہتا ہوں، وہ اپنے مکمل وجود کے ساتھ، سننے والا

ہے اور اس لحاظ سے نہیں کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ "اس کا مکمل وجود، کسی جز کا حامل ہو لیکن میں ایک بات تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں اور میرا مفہوم سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ سننے دیکھنے اور سمجھنے والا نیز آگاہ ہے، اس حالت میں کہ اس کی ذات اور معنیٰ میں کوئی اختلاف اور فرق آنے والا نہیں ہے۔

اس نے پوچھا: تو پھر کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ رب اور معبود ہے اور وہ اللہ ہے اور یہاں بھی رب اور اللہ سے میری مراد، حروف "ال ہ" اور "رب" نہیں ہے بلکہ میری مراد ایسا معنی اور وجود ہے کہ وہ سبھی چیزوں کا خالق اور بنانے والا ہے اور ان حروف کے استعمال کرنے کا میرا مقصد وہی ہے کہ جس کا مطلب "اللہ، رحمٰن، رحیم اور عزیز وغیرہ جیسے نام استعمال کئے جاتے ہیں اور وہ ایسا معبود پروردگار ہے جو کہ عزیز و جلیل ہے۔"[۵۶]

---

[۵۶] مدرک بالا، ص: ۸۳۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معصوم ائمہ علیہم السلام جو کہ اسلام کے عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق اوصیاء اور علوم الٰہی کے وارث ہیں، ایسی ممتاز و منفرد خصوصیات کے حامل تھے کہ جسے خداوند عالم اپنے نبیوں اور ولیوں کو ہی عنایت فرماتا ہے۔ ان خصوصیات میں سے ایک رب العالمین سے ارتباط اور خاص علم غیب کا حصول ہے کہ جہاں وہم و خیال کا گذر نہیں ہوتا اور انبیاء کی وحی کی مانند ہر قسم کے جھوٹ اور نادرستی سے الگ اور محفوظ ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ائمہ اور اوصیاء نبی نہیں تھے اور وہ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ دین پیغمبر کے مبلغ و محافظ اور امت کے رہبر و رہنما تھے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: تم سے میری نسبت ہارون کی موسیٰ جیسی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آنے والا ہے۔

اسلامی روایتوں میں، سبھی اماموں کے مافوق الفطرت علوم کے وافر نمونے پائے جاتے ہیں کہ جن کو دیکھنے کے بعد کسی بھی غیر جانبدار اور آگاہ ضمیر مسلمانوں کے لئے شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ یہ اعلیٰ مقدرت بزرگ ہستیاں بحر زخار

کی مانند الٰہی علوم و دانش کی مالک تھیں اور جب بھی مصلحت کا تقاضا ہوتا تھا اپنی غیبی معلومات کے ایک گوشے کو اپنے پیروکاروں کے لئے نمایاں کرتی تھیں۔

اب آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پوشیدہ اور غیبی علوم کی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔ زید بن علی بن الحسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جناب زید کے بڑے بیٹے "یحییٰ" پوشیدہ طور سے ایران آئے اور کچھ عرصہ کے بعد مشرقی ایران میں کچھ لوگوں کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کے بعد اموی خلیفہ کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے دلیرانہ جنگ کی اور آخرالامر درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

ان کے جنازے کو بھی ان کے والد کی طرح صولی پر لٹکا دیا گیا اور برسوں تک لاش یونہی لٹکتی رہی، تاہم جب "ابو مسلم" نے قیام کیا تب ان کے جنازے کو نیچے اتار کر بڑے ادب و احترام سے سپرد خاک کیا گیا۔

جن دنوں یحییٰ جانب خراسان روانہ تھے "متوکل بن ہارون" نامی ایک شیعہ جو کہ سفر حج سے لوٹ رہے تھے اور مدینہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کر چکے تھے، ان کا سامنا یحییٰ سے ہوا۔

متوکل کا کہنا ہے: میں نے سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ میں کہاں سے آرہا ہوں؟ میں نے کہا: حج سے۔ انہوں نے اپنے خاندان ، چچا زاد بھائیوں اور حضرت امام جعفر صادقؑ کی خیریت دریافت کی۔ جتنا کچھ کہ میں جانتا تھا ان کو بتا دیا اور پھر ان کے والد جناب زید کی شہادت پر اہل بیت علیہم السلام کے غم و اندوہ کے حالات بیان کئے۔

انہوں نے کہا: میرے چچا، محمد بن علی، امام محمد باقر علیہ السلام نے میرے والد سے کہا تھا کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ اس کے بعد پوچھا: کیا تم نے میرے چچازاد بھائی جعفر بن محمدؑ سے ملاقات کی؟

میں نے کہا: ہاں

انہوں نے پوچھا: کیا انہوں نے میرے بارے میں کچھ پوچھا؟ میں نے کہا: ہاں، بولے: جو کچھ کہ کہا مجھے بتاؤ۔

میں نے کہا: مجھے پسند نہیں کہ جو کچھ انہوں نے آپ کے بارے میں کہا ہے اسے میں آپ کے سامنے بیان کروں۔

انہوں نے کہا: کیا تم مجھے موت سے ڈرانا چاہتے ہو؟ جو کچھ بھی سنا ہے بیان کرو۔

میں نے کہا: انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ بھی مارے جائیں گے اور اپنے والد کی طرح تختہ دار پر لٹکائے جائیں گے۔ پھر یحییٰ نے اپنی گفتگو کے دوران کچھ باتیں کیں اور پھر ان کے پاس موجود صحیفۂ سجادیہ کا کچھ حصہ متوکل کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو مدینہ لے جا کر ان کے رشتہ داروں کو دیدیں اور کہا: خدا کی قسم، اگر میرے بھائی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے تمہیں یہ بات نہ بتائی ہوتی کہ میں بھی مارا جاؤں گا اور تختۂ دار پر لٹکایا جاؤں گا تو یہ صحیفۂ سجادیہ ہر گز تمہارے حوالے نہ کرتا، چونکہ میں جانتا ہوں کہ امامؑ کا قول حق و صداقت پر مبنی ہے اور انہوں نے یہ حق و صداقت اپنے آباؤاجداد سے حاصل کی ہے۔[۵۷]

اس کے بعد زیادہ وقت نہیں گذرا کہ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

---

[۵۷] شیخ عباس قمی، منتھی الامال، زندگانی امام سجادؑ

''صفوان بن یحییٰ'' کہتے ہیں: جعفر بن محمد بن اشعث نے مجھ سے کہا: تمہیں پتہ ہے کہ میں کیوں شیعہ ہوا جب کہ مجھے اس مذہب کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا، یہاں تک کہ اس مذہب کے بارے میں جو دوسرے لوگ جانتے ہیں، اس کی بابت بھی کچھ معلوم نہیں تھا؟

میں نے کہا: ماجرا کیا ہے؟

کہا: ایک دن خونخوار عباسی خلیفہ ''منصور دوانیقی'' نے میرے والد سے کسی بہت ہوشیار چالاک اور بلا کی ذہنیت والے آدمی کو متعارف کرانے کا حکم دیا تھا کہ اسے مخصوص کام اور ذمہ داری سونپی جائے۔ میرے والد نے اپنے ماموں کا تعارف کرایا۔ منصور نے انہیں حاضر کیا اور کچھ پیسے دیتے ہوئے بولا: تم مدینہ جاؤ اور امام حسین علیہ السلام کے پوتے ''عبداللہؑ'' اور ان کے جملہ اقارب منجملہ ''جعفر بن محمدؑ'' سے ملاقات کرو اور انہیں بتاؤ کہ یہاں پر اجنبی و مسافر ہو۔ خراسان سے آئے ہو اور وہاں پر ان کے شیعہ پیروکاروں کی بڑی تعداد ہے کہ جنہوں نے ان کے لئے کچھ پیسوں کا بندوبست کر کے بھیجا ہے۔ جو لوگ بھی

ہوں انہیں پیسے بانٹو اور کہو کہ تمہیں خراسان کے لوگوں نے مدینہ بھیجا ہے اور ان سب سے پیسہ کی رسید بھی حاصل کرلو تاکہ وہ تمہارے پاس محفوظ رہے۔

میرے والد کے ماموں بحسب حکم مدینہ گئے اور اپنی ذمہ داری انجام دینے کے بعد منصور کے دربار میں حاضر ہوئے اس وقت اپنے والد کے ہمراہ میں بھی وہاں موجود تھا، منصور نے ان سے پوچھا: اچھا تو بتاؤ کہ تم نے کیا کیا؟

انہوں نے کہا: میں نے ان سب سے ملاقات کی، جو رقم دینی تھی دیا اور سب سے رسید بھی دریافت کی سوائے "جعفر بن محمدؑ" کے کہ جب ان کے پاس گیا تو وہ مسجد النبیؐ میں حالت نماز میں تھے۔ میں ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور ان کی نماز کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

نماز ختم ہونے کے بعد انہوں نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا: خدا سے ڈرو اور اہلبیت پیغمبرؐ کو دھوکہ نہ دو اور منصور سے بھی کہہ دو کہ خدا سے خوف کھائے اور خاندان پیغمبرؐ کو دھوکہ نہ دے۔

میں نے پوچھا: آپ کی گفتگو کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: میرے قریب آؤ، پھر انہوں نے میرے اور آپ کے درمیان ہونے والی باتوں اور مجھے سونپی گئی ذمہ داری کے بارے میں تفصیل سے بتایا، ان کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ان سارے واقعات کے موقع پر وہ ہمارے ساتھ ہوں۔[۵۸]

''ابو بصیر'' کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے تھے کہ درمیان میں ''معلّٰی بن خنیس'' کا نام آیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو بصیر! معلّٰی کے بارے میں جو بھی تمہیں بتانے جارہا ہوں اس کو اپنے ہی تک محدود رکھنا۔

میں نے عرض کیا: اطاعت ہوگی اور جو کچھ کہ آپ بتائیں گے وہ پوشیدہ ہی رہے گا، کسی کو بھی نہیں بتاؤں گا۔

---

[۵۸] کافی، ج:۱، ص: ۴۷۵۔

فرمایا: انہیں اپنے پاس طلب کرے گا اور ان کی گردن اڑا دے گا اور ان کی لاش کو تختۂ دار پر لٹکا دے گا اور یہ کام آئندہ سال انجام پائے گا۔

دوسرے سال داؤد، مدینہ کا حاکم مقرر ہوا، اس نے معلیٰ کو طلب کیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شیعوں کو پہچنوانے کا مطالبہ کیا معلیٰ نے اس کی بات نہیں مانی، حاکم نے دھمکی دی کہ اگر اس کی بات نہیں مانی تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

معلیٰ نے جواب دیا: مجھے موت کی دھمکی دیتے ہو؟ خدا کی قسم اگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شیعہ میرے پیروں کے نیچے بھی چھپے ہوں تو ان کی نشاندہی کرانے کی خاطر اپنے پیروں کو زمین سے نہیں اٹھاؤں گا اور اگر تو نے مجھے مار دیا تو میں خوش نصیب اس دنیا سے جاؤں گا اور تو بدنصیب ہوگا۔ داؤد نے بھی انہیں شہید کر دیا۔[۵۹]

---

[۵۹] بحار الانوار، ج: ۴۷، ص: ۱۲۹۔

''سریر صیرفی'' سے روایت کی گئی ہے کہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کچھ دینار میرے پاس بطور امانت رکھے ہوئے تھے، انہیں واپس کرتے وقت میں نے ایک دینار کم دیئے تاکہ امام علیہ السلام کے سلسلہ میں شیعوں کے قول کو آزماسکوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''سریر'' تم نے مجھ سے خیانت کی ہے، تاہم تمہارے اس اقدام کا مقصد، ہم سے علیحد گی اختیار کرنا نہیں تھا، میں نے عرض کیا: میرے آقا! آپ پر میری جان قربان ہو! بات کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے میرے حق میں سے ایک حصہ رکھ لیا ہے تاکہ مجھے آزمانے کی کوشش کرو۔

میں نے عرض کیا: میرے آقا! آپ بجا فرمارہے ہیں، میں آپ کے شیعوں کی بات کو آزمانا چاہتا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ جس چیز کہ ضرورت ہوتی ہے، ہم اس سے آگاہی رکھتے ہیں؟ انبیاء علیہم السلام کا علم ہمارے علم میں محفوظ اور ذخیرہ ہے اور ہمارا علم، انبیاء علیہم السلام کے علم سے متصل و مربوط ہے۔[۶۰]

امام اور حکمراں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۸۳ ہجری میں پانچویں ظالم و جابر اموی خلیفہ ''عبدالملک مروان'' کے دور حکومت میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴ ہجری میں اپنے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد ''ہشام بن عبدالملک'' کے دور حکومت میں ۳۱ برس کی عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے۔

[۶۰] مدرک بالا، ص: ۱۳۰۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مبارک و بابرکت ولادت سے ۱۳۲ہجری تک جب سلسلہ امویہ کا خاتمہ ہوا، اموی خلفاء کے ناموں کا مدت حکومت کے ساتھ بشرح ذیل ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ ''عبدالملک مروان'' نے ۶۵ ہجری سے ۸۶ ہجری تک حکومت کی، اس کی حکومت کے آخری تین برس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد طفولیت میں گذرے۔

۲۔ ''ولید بن عبدالملک'' نے نو برس آٹھ مہینے حکومت کی۔

۳۔ ''سلیمان بن عبدالملک'' نے تین برس تین مہینے حکومت کی۔

۴۔ ''عمر بن عبدالعزیز'' نے دو برس پانچ مہینے حکومت کی۔

۵۔ ''یزید بن عبدالملک'' نے چار برس ایک مہینے حکومت کی۔

۶۔ ''ہشام بن عبدالملک'' نے بیس برس حکومت کی کہ جس میں کئی برس کی حکومت، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کے دور میں تھی۔

۷۔ ''ولید بن یزید'' نے ایک برس حکومت کی۔

۸۔ ''یزید بن ولید'' نے ایک برس حکومت کی۔

۹۔ ''ابراہیم بن ولید'' نے چھ مہینے حکومت کی۔

۱۰۔ ''مروان حمار'' نے پانچ برس اور کچھ مہینے حکومت کی کہ جس کو بنی عباس سے شکست کھانے کے بعد موت نصیب ہوئی اور ۱۳۲ ہجری میں بنی امیہ کی حکومت کا مکمل طور سے شیرازہ بکھر گیا۔

تقریباً ایک صدی تک اموی حکومت کا دور چلا۔ یہ دور تاریخ اسلام کا سب سے بدتر اور خراب دور کہلاتا ہے کہ جس میں اسلام اور امت اسلامیہ کو بنی امیہ نے مقاصد کی آماجگاہ اور کھلواڑ بنا رکھا تھا۔ وہ لوگ کسی بھی عوامی قدر و منزلت کے قائل نہ تھے۔

بنی امیہ کے دور حکومت میں سبھی مسلمانوں خاص کر خاندان نبوت کے پیروکاروں اور شیدائیوں کو بہت ہی شدائد اور گھٹن کا سامنا کرنا پڑا۔ ''عبدالملک''

نے اپنے ایک خطبہ کے دوران لوگوں سے کہا ”جو کوئی بھی مجھے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی دعوت دے گا اس کی گردن اڑادوں گا“۔[٦١]

بنی امیہ، خدا سے غافل و بے خبر زندیقی گروہ تھا جو کہ اسلام کی پیدائش کے وقت سے ہی دین خدا اور پیغمبر اکرمؐ کا کٹر دشمن تھا۔ بعد کے واقعات اور بدر و احد کی جنگیں باعث ہوئیں کہ بنی امیہ کے دل میں پیغمبر اکرمؐ اور امیر المومنین علی علیہ السلام کے خلاف کینہ و دشمنی کی جڑ گہری ہو جائے یہی وجہ تھی کہ جب بھی انہیں موقع ملتا انتقام اور دشمنی کا بدلہ لینے پر اتر آتے تھے۔ انہوں نے اسلام کی بربادی اور رسول خداؐ نیز خاندان نبوت سے دشمنی اور بدلہ لینے کی خاطر کبھی بھی موقع نہ گنواتے ہوئے کسی بھی مکر و فریب اور حیلہ بازی سے فروگذاشت نہیں کیا۔ ۴۰ھ سے یعنی امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی شہادت اور معاویہ کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے عملی طور سے عالم اسلام پر معاویہ کا قبضہ و تسلط ہو گیا، اور تب سے شیعوں پر گھٹن اور دباؤ کا سلسلہ بڑی شدت سے شروع ہو گیا۔ علی علیہ السلام کی برائی کرنا بنی امیہ کے پروگراموں میں سرفہرست

---

[٦١] ابن اثیر، الکامل، ج: ۴، ص: ۵۲۱

قرار پایا۔ کربلا میں وسیع پیمانے پر ہونے والا قتل عام اور بھیانک جرم کا ارتکاب نیز سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت، بنی امیہ کے بہیمانہ جرائم کا نکتہ عروج شمار کیا جاتا ہے۔

اس جانکاہ واقعہ سے پہلے اور بعد میں بنی امیہ نے بہت سی شیعہ اور علوی ہستیوں اور بزرگان دین کو اہلبیت علیہم السلام کی حمایت کے جرم میں تہہ تیغ کرڈالا اور بہت سے لوگوں کو کال کوٹھریوں میں بند کرکے اذیت و آذار کے بھیانک ترین ہتھکنڈوں کا استعمال کیا۔ چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند جناب زید کو ہشام کے دور حکومت میں شہید کردیا گیا۔ ہشام کے حکم پر ان کے جنازے کو تختۂ دار برسوں لٹکائے رکھا گیا اور پھر اتارنے کے بعد اسے نذر آتش کردیا گیا۔

واقعۂ کربلا اور اس کے بعد، ائمہ علیہم السلام کے ذریعہ اس واقعہ کے انعکاس اور جدوجہد نے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف نفرت کے شعلوں کو بھڑکانے میں بہت اثر دکھایا اور سرانجام جناب زید کی شہادت اس بات کا سبب ہوئی کہ لوگوں کے اندر بنی امیہ کی خودخواہی، بے دینی اور ظلم و ستم میں شدت اور پریشانی و بے

چینی اور غیظ و غضب کا طوفان برپا کردیا کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بنی امیہ کی حکومت کی بساط کو الٹ کر رکھ دیا اور اس شجر خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس کے بعد بنی عباس نے حق کا لباس اوڑھ کر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت پر قبضہ جمالیا۔

ہمارے دیگر معصوم اماموںؑ کی مانند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اپنی پوری زندگی، خاص کر اموی حکمرانوں کے دور مین، اموی ستمگروں کی پابندیوں اور محدودیتوں کے باوجود جہاں تک کہ ممکن تھا آشکار اور پوشیدہ طور پر ستمگروں سے مقابلہ و جدوجہد کرتے ہوئے حقائق کو برملا کرتے رہے اور دین و حق کی ترویج کے سلسلہ میں لوگوں کی ہدایت فرماتے رہے اور اسلام حقیقی کی ترویج میں کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔

ہشام کے دور حکومت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ اعمال حج بجالانے کے لئے تشریف لائے تھے اور اس موقع پر لوگوں کے اجتماع عظیم سے خطاب کرتے ہوئے خاندان نبوت کے ذریعہ امامت و قیادت کے بارے میں فرمایا:

کامیاب وہی ہے جو ہماری پیروی کرے گا اور بد قسمت وہ ہے جو ہم سے دشمنی کرے گا۔[۶۲]

اس بات کی خبر ہشام تک پہنچی، اس نے بھی مدینہ کے حاکم کو حکم دیا کہ حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کو دمشق روانہ کرے۔ جب یہ دونوں ہستیاں دمشق میں ہشام کے پاس پہنچیں تو اس سے تلخ کلامی بھی ہوئی۔

اس تاریک و بھیانک دور میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کی نمایاں خدمات میں اسلامی اصولوں اور قوانین کے تحفظ اور اس کی ترویج میں علمی خدمات اور پابند عہد علماء اور فقہاء کی تعلیم و تربیت سرفہرست ہیں، ان دونوں اماموں نے اسلامی سرزمین کے دور دراز کے علاقوں تک دین و قرآن کو دربار خلافت کی ریشہ دوانیوں اور انحراف و گمراہی سے محفوظ رکھتے ہوئے دینی احکام کو صحیح ڈھنگ سے لوگوں تک پہنچایا اور حکومت کے انحرافی عقائد کو پھلنے اور پھیلنے کا موقع نہ دیتے ہوئے حقیقی اسلام کا تحفظ کیا۔

---

[۶۲] طبری، دلایل الامامۃ، ص: ۱۰۴

یہ تحریک اور اس کی بابت جد و جہد مختلف لحاظ سے جد و جہد کے دیگر پہلوؤں سے کہیں زیادہ مشکل اور دشوار تھی اور ان دونوں عظیم اماموں کی اس امر میں کامیابی ان اہم ترین عوامل میں سے تھی کہ جس کی بابت ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بنی امیہ کی اسلام مخالف اور تباہ کار حکومت کے ایک صدی گذر جانے کے بعد بھی دین کے اصلی ستون اور بنیاد پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ حالانکہ بنی امیہ نے بہت کوشش کی کہ اسلام کو دور جاہلیت کی جانب پلٹا لیجائیں اور علی الظاہر اس سلسلہ میں کچھ قدم آگے بھی بڑھائے لیکن ہمارے معصوم اماموں کی کوششوں اور خاص کر شاگردوں کی تربیت اور معاشرتی سطح پر اسلامی آگاہی و شناخت پر مبنی تعلیمات کی جڑوں کے وسیع پیمانے پر پھیلائے جانے کے سبب، امویوں کی راہ کی رکاوٹ ثابت ہوئی اور دشمنوں کو ان کے اصلی مقصد یعنی اسلام کی نابودی پر مبنی کوشش میں ناکامی ہاتھ لگی۔

آخرالامر بنی امیہ کی پلید حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کی جگہ بنی عباس نے لے لی۔ بنی عباس نے جو کہ پیغمبر اکرمؐ کے خاندان سے اور ان کے چچا تھے، آغاز میں انہوں نے امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کے خون کا بدلہ لینے نیز

امویوں سے جنگ وجدوجہد کرنے کے نام سے لوگوں کے درمیان اپنا مدعا پیش کیا اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ خاص کر انہوں نے ایرانیوں کا آل علی کی محبت کے نام اور بنیاد پر فائدہ اٹھایا اور ان سے کہا کہ امویوں سے حکومت چھین کر کسی لائق اور صاحب اختیار فرد کو حکومت دینا چاہتے ہیں۔ اس نعرے، مقصد اور بنیاد پر انہوں نے بنی امیہ کے خلاف جنگ شروع کی اور ابو مسلم خراسانی اور اجتماع کردہ ایرانیوں کی مدد سے بنی امیہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا لیکن بجائے اس کے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو منصب خلافت پر بٹھائیں، امام وقت کی جگہ خود حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

بنی عباس اسلام کا بہت زیادہ دکھاوا کرتے تھے وہ اس عنوان سے کہ ان کا تعلق پیغمبر اکرمؐ کے خاندان سے ہے، خود کو پیغمبر اکرمؐ کا حقیقی جانشین و وارث سمجھتے اور اسلامی خلافت کا حقدار بتایا کرتے تھے۔ لیکن اس بات کے پیش نظر کہ وہ دوسروں سے زیادہ اس بات سے واقف تھے کہ اس مقام و منصب کے لائق و حقدار نہیں ہیں، حکومت کے آغاز سے ہی، اپنی سلطنت و حکومت کی بقا کے لئے دیگر ظالموں کی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے اصحاب پر

اپنا دبدبہ اور دباؤ بڑھاتے جا رہے تھے اور اس بابت بہت زیادہ کوشش کیا کرتے تھے کہ معاشرے کو خاندان نبوت و امامت سے دور رکھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خلافت و حکومت کو کہ جسے پیغمبر اکرمؐ کے رشتہ دار ہونے اور اسلام کے سلسلہ میں ریاکاری ظاہر کرکے حاصل کی تھی، اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھیں۔

۱۳۲ھ سے جب سے کہ اموی حکومت کا زوال ہوا اور ۱۴۸ھ تک جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی، دو عباسی خلفاء نے حکومت کی۔ ''سفاح'' پہلا عباسی خلیفہ تھا، جس نے کہ چار برس تک حکومت کی اور دوسرا خلیفہ ''منصور'' تھا جس نے کہ ۲۲ برس یعنی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے دس برس بعد تک اقتدار و حکومت کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔

امام علیہ السلام تمام وقف اور خاص کر منصور کی حکومت کے زمانے میں شدید دباؤ اور نگرانی و نظر بندی کی حالت میں رہے۔ یہاں تک کہ کبھی تو امام علیہ السلام کو لوگوں سے بھی ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔

''ہارون بن خارجہ نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شیعہ نے بزم عام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عورت کے تین طلاق کے بارے میں

اور اس کی درستی کے سلسلہ میں سوال کرنے کا سوچا اور اسی غرض سے وہ اس جگہ گیا، لیکن اس وقت کے عباسی خلیفہ نے حضرت سے ملاقات پر پابندی عائد کررکھی تھی۔ وہ اس فکر میں لگے رہے کہ امام علیہ السلام سے ملاقات کی کیا صورت نکالی جائے، اسی وقت ایک پھیری والے پر نظرپڑی جو بدن پر میلا کچیلا کپڑا پہنے ٹھیلے پر ککڑی بیچ رہا تھا، اس کے پاس جاکر پوری ککڑی ایک ساتھ خرید لی اور اس کے کپڑے ادھار لے کر ککڑی بیچنے والے کی حیثیت سے آواز لگاتے ہوئے امام علیہ السلام کے بیت الشرف تک پہنچے، امام کے خادم نے ککڑی خریدنے کی غرض سے آواز لگاکر روکا۔ اس طرح وہ امام علیہ السلام کے گھرتک پہنچے پھر امام کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے اور چکمہ دینے میں کامیاب رہے ہو، اب بتاؤکہ تمہارامسئلہ کیا ہے؟"

مسئلہ پیش کیا، جس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا: ایک ہی نشست میں عورت کو تین طلاق دینا باطل ہے۔[۶۳]

---

[۶۳] بحار الانوار، ج: ۴۷، ص: ۱۷۱

"منصور" امام علیہ السلام ، ان کے پیروکاروں اور دیگر علویوں کو اذیت و آزار دینے اور کسی بھی جرم کے ارتکاب سے دریغ نہیں کیا کرتا تھا۔ اس نے بھی ان لوگوں کے خلاف بالکل بنی امیہ جیسا سلوک روا رکھا تھا۔ "سریر" اور "عبدالسلام بن عبدالرحمٰن" اور دیگر اصحاب امام علیہ السلام کو قیدی بنا رکھا تھا۔ اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بزرگ و جانثار صحابی "معلٰی بن خنیس" کو شہید کردیا اور حضرت امام حسن مجتبیؑ کے پوتے "عبداللہ" کو جو کہ علویوں میں بزرگ و محترم فرد شمار ہوتے تھے، عراق جلا وطن کردیا اور پھر وہیں پر قیدی بنا کر رکھا اور آخر میں شہید کردیا۔

دوسری طرف منصور نے ہر ذریعہ اور راستہ سے کوشش کی کہ امت اسلامیہ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھے اور خود کو پیغمبر اکرمؐ کا حقیقی خلیفہ اور امین شریعت و سایۂ خداوندی قرار دینے میں کوشاں رہا کرتا تھا۔

اس کا اس بات پر اصرار تھا کہ اسے خاندان اہلبیت علیہم السلام میں شمار کیا جائے اور غلط فہمی کی دیوار کھڑی کرکے رسول اکرمؐ کے حقیقی اوصیاء اور ائمہ علیہم السلام کے زمرے میں شامل ہونے میں کوشاں رہا کرتا تھا۔ کیونکہ اسے یہ بات اچھی

طرح معلوم تھی کہ مسلم عوام اہلبیت علیہم السلام کے بہت بڑے شیدائی اور ان سے شدید جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی بنی عباس نے لوگوں کے اسی عقیدے اور اہلبیت پیغمبر اکرمؐ کے دفاع کے نعروں کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی امیہ کے خاتمہ میں کامیابی حاصل کی تھی۔

منصور نے اپنے ایک خطبہ کے دوران کہا تھا: اے لوگو! انحصاری طور پر میں زمین پر خدا کا نمائندہ ہوں اور اس کی توفیق سے تمہارے امور کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ میں خدا کا خزانچی ہوں اور بیت المال میرے اختیار میں ہے۔ اس کی خواہش کے مطابق عمل اور اس کے ارادے کے مطابق تقسیم کرتا ہوں اور اس کی اجازت سے مال کی تقسیم کرتا ہوں۔ خداوند عالم نے مجھے اپنے خزانے کا تالا بنایا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے مجھے کھولتا ہے تاکہ تمہیں عطا کروں۔[٦٤]

اس نے اپنی تقریر کے دوران خراسان کے لوگوں سے کہا: اے خراسانی لوگو! خدا نے ہمارے حق کو ظاہر کر دیا ہے اور پیغمبر اکرمؐ سے ہماری میراث، خلافت کو

---

[٦٤] سیوطی، تاریخ الخلفا، ص: ۲۶۳

ہمیں دے دیا ہے، حق اپنی جگہ پر آگیا ہے اور خداوند عالم نے اپنا نور ظاہر کر دیا اور اپنے چاہنے والوں کو عزت بخشی اور ستمگروں کو تباہ کر دیا ہے۔[۶۵]

منصور اس طرح کے عوام فریبانہ اقدامات سے خود کو مقدس بنا کر پیش کرنا چاہتا تھا حالانکہ گندگی اور کفر و نفاق میں، اس میں اور بنی امیہ میں کوئی فرق نہیں تھا، وہ اس طرح سے اس ظاہر اور عوام فریب اقدامات کے ذریعہ اپنے حقیقی اور مکروہ چہرے کو چھپانا چاہتا تھا۔

اسی طرح سے وہ سختی اور دھمکیوں کے ذریعہ ہی سہی حضرت امام جعفر صادقؑ کی ظاہری موافقت کو حاصل کرنے کے درپے رہا کرتا تھا تاکہ لوگوں کی نظروں میں خود کو اچھا ظاہر کر سکے۔ تاہم امام علیہ السلام اس کی تائید تو دور کی بات ہے، ہر ممکن طریقہ سے اس کی اور بنی عباس کی اصلیت کو ظاہر کرنے کی کوشش بھی کیا کرتے تھے۔

[۶۵] مسعودی، مروج الذھب، ج: ۳، ص: ۳۰۱

امام علیہ السلام کے ایک وفادار نے پوچھا: کچھ شیعہ لوگ ایسے ہیں جو غربت و تنگدستی میں مبتلا ہیں اور ان کے سامنے یہ تجویز کی جاتی ہے کہ حصول رزق کے لئے بنی عباس کے لئے گھر بنائیں۔ نہریں تیار کریں اور اس کی بابت اجرت دریافت کریں۔آپ کے خیال میں یہ کام کرنا ٹھیک رہے گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یہ بات بالکل ہی پسند نہیں ہے کہ ان کے لئے ایک گانٹھ تک باندھوں یا ایک لکیر بھی کھینچوں، چاہے اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی اجرت ہی کیوں نہ دی جائے، کیونکہ جو لوگ کہ ظالم اور ستمگر لوگوں کی مدد کرتے ہیں وہ لوگ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے روبرو قرار پائیں گے اور بندوں کے درمیان خدا کے حکم کے منتظر ہوں گے۔[٦٦]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی ملاقاتوں اور مکتوب کے ذریعہ بھی پوری صراحت کے ساتھ منصور کی سرزنش کیا کرتے تھے۔ منصور نے ایک خط کے

[٦٦] وسایل، ج: ١٢، ص: ١٢٩

ذریعہ امامؑ کو لکھا کہ ”دوسروں کی طرح آپ بھی میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے ہیں؟“

امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا: دنیا میں ہمارے پاس ایسا کچھ نہیں ہے کہ جس کی بابت تم سے خائف وہراساں ہوں اور تمہارے پاس معنویت وآخرت کی ایسی کوئی چیز نہیں کہ جس کی وجہ سے تم سے توقع رکھی جائے۔ اسی طرح تمہارے پاس نہ تو کوئی ایسی نعمت ہی ہے کہ جس کے پانے پر تمہیں مبارک باد دے سکوں اور نہ ہی تم خود کو کسی مصیبت اور پریشانی میں پاتے ہو کہ جس کی وجہ سے اظہار تعزیت کرسکوں، پھر مجھے تمہارے پاس کیوں آنا چاہیئے؟

منصور نے پھر خط لکھا: آپ تشریف لائیں اور ہمیں نصیحت کریں۔

امام عالیمقام نے جواب دیا: جو کوئی دنیا کی چاہت رکھنے والا ہوگا تمہیں نصیحت نہیں کرے گا اور جو کوئی آخرت والا ہوگا وہ تمہارے پاس نہیں آئے گا۔[٦٧]

---

[٦٧] بحارالانوار، ج: ٤٧، ص: ١٨٤۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور کے دربار میں بیٹھے تھے، ایک مکھی منصور کو پریشان کئے جارہی تھی، وہ مکھی بھگانے کی جتنی کوشش کرتا پھر بھی وہ اس کے چہرے پر آکر بیٹھ جایا کرتی۔ منصور نے جھلّا کر امام علیہ السلام سے کہا: خدا نے اس مکھی کو پیدا ہی کیوں کیا؟

امام علیہ السلام نے فوراً جواب دیا: تاکہ ظالم و ستمگر لوگوں کو اس کے ذریعہ ذلیل وخوار کرے!"

یہ برجستہ جواب سن کر، منصور خجل ہو کر خاموش ہوگیا۔[۶۸]

"عبداللہ بن سلیمان تمیمی" کا کہنا ہے: جب عبداللہ کے بیٹوں یعنی حضرت امام حسنؑ کے پوتوں، "محمد وابراہیم" کو حکومت عباسی کے ذریعہ قتل کردیا گیا تو منصور نے "شیبۃ بن غفال" نامی اپنے ایک کارندے کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

شیبہ نے مدینہ پہنچ کر جمعہ کے دن مسجد میں منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور کہا: علی بن ابیطالب نے مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی دیوار کھڑی کردی اور مدینہ

---

[۶۸] فصول المہمۃ، ص: ۲۳۶

والوں سے جنگ لڑتے ہوئے حکومت پر قبضہ کرلیااور وہ نہیں چاہتے تھے کہ حق، حقدار کو ملے۔ تاہم خدا نے ان سے حکومت چھین لی اور ان کے بعد ان کی اولادیں بھی بدعنوانی میں ان کی پیروی کرتی ہیں اور حصول حکومت میں کوشاں ہیں جبکہ ان کے اندر حکومت کی اہلیت و لیاقت نہیں پائی جاتی ہے، اسی لئے دنیا کے مختلف علاقوں میں مارے جاتے ہیں اور اپنے ہی خون میں غلطاں کئے جاتے ہیں۔ شیبہ کی باتیں لوگوں کو بہت بری لگیں لیکن کسی میں لب کشائی کی ہمت نہیں تھی، اسی اثناء میں ایک آدمی جو کھادی کا کپڑا پہنے ہوئے تھا، اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوااور بولا:

''ہم خدا کی تعریف و ستائش کرتے ہیں اور اس کے آخری پیغام رساں حضرت محمدؐ پر جو کہ سبھی انبیاء کے سردار ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ تاہم جو اچھائیاں تم نے بیان کیں ہم ان کے حقدار ہیں اور جو بدگوئیاں تم نے بیان کیں اس کے لائق تم اور منصور ہو! پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: کیا ضروری نہیں کہ میں تمہیں اس بات سے آگاہ کروں کہ قیامت کے دن کس کے اعمال کی میزان بالکل خالی ہے اور کون ہے جو سب سے زیادہ گھاٹے

میں رہنے والا ہے؟ وہ ایسا آدمی ہے جو اپنی آخرت کو دوسروں کی دنیا کے لئے بیچتا ہے اور یہ خود فروش حاکم و والی بھی ایسا ہی ہے جس نے کہ منصور کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت کا سودا کر لیا ہے۔"

لوگ مطمئن ہوگئے اور حاکم مدینہ بغیر کچھ بولے، مسجد سے باہر چلا گیا، پھر میں نے پوچھا: وہ آدمی کون ہے جس نے کہ حاکم مدینہ کے سامنے اس قدر مستحکم اور شدید اللحن انداز میں بات کی تھی؟

لوگوں نے کہا: وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔[٦٩]

امام اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت

جیسا کہ ہم نے بتایا اموی اور عباسی حکام نے ہمارے معصوم ائمہؑ پر کڑی نگرانی اور پہرے لگا کر ان پر نظر رکھی ہوئی تھی، یہاں تک کہ وہ انہیں لوگوں سے ملنے بھی نہیں دیا کرتے تھے۔ حکومت بنی امیہ کے اختتام اور بنی عباس کے دور اقتدار

[٦٩] بحار الانوار، ج: ٤٧، ص: ١٦٥۔

کے آغاز کے موقع پر کمزوریوں، جھڑپوں اور مختلف نزاعات کی بناپر حضرت امام جعفر صادقؑ کے چاہنے والے شیدائیوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع نصیب ہوا کہ علم و فیض حاصل کر سکیں۔

ائمہ علیہم السلام سے کہ جن کے سر فہرست حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادقؑ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، تشنگان علم و دانش اور حق و حقیقت کے دلدادہ لوگوں کے فیضان علم سے مستفید ہونے کی چاہت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ گھٹن کے بدترین حالات اور ماحول کے باوجود جو ممکن راستہ اور ذریعہ بھی میسر ہوتا تھا وہ لوگ خود کو امامؑ تک پہنچاتے اور ان کے کمالات و فیض کے منبع سے اپنی خواہشات اور مرادوں کو پانے میں کوشاں رہا کرتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دامن میں ایسے بہت سے شاگردوں نے مختلف علوم و فنون اور معارف اسلامی سیکھے اور دوسروں کو بھی منتقل کئے۔ شیخ طوسی نے اپنی کتاب ''رجال''میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی میں مختلف علوم و فنون میں ممتاز و منفرد مقام پانے والے تقریباً چار ہزار شاگردوں کے سلسلہ میں تذکرہ کیا ہے، تاہم یہاں پر ان سب اعلیٰ قدر

شخصیتوں کی قدر دانی اور آنے والی نسلوں کے لئے علوم و فنون کی منتقلی کی قدر دانی اور شکریہ کی ادائیگی کے طور پر کچھ کا نام اور ان کی خدمات کا ذکر کرتے ہیں۔

حمران بن اعین، زرارۃ بن اعین، عبداللہ بن ابی یعفور، مفضل بن عمر، ہشام بن حکم، ابو بصیر اور مؤمن الطاق وغیرہ.....

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذریعہ ان کے پیروکاروں کے لئے جو گرانقدر منفرد یادگار باقی بچی ہے، وہ مشہور و معروف رسالہ ہے کہ جسے "توحید مفضل" کے نام سے جانا جاتا ہے، اس میں انسانی تخلیق، عالم خلقت، اثبات وجود خدا اور اس کی طاقت و اقتدار اور علم و حکمت جیسے مفید مطالب کا ذکر ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مفضل سے اس کو چار نشستوں میں بیان فرمایا ہے اور مفضل نے امامؑ کی اجازت سے اس کو محفوظ کر لیا ہے۔

یہ گرانقدر اور بیش قیمتی رسالہ "علامہ مجلسیؒ" اور دیگر علماء اور دانشوروں کے ذریعہ ترجمہ ہو کر منظر عام پر بھی آچکا ہے جو کہ عام لوگوں کے لئے مفید ہے اور اس کا مطالعہ توحیدی مسائل پر نظر رکھنے والوں مفکروں کے لئے جو کہ آیات

عظمت خداوندی کے سلسلہ میں اپنی چاہت کی تشنگی کو دور کرنا چاہتے ہیں بہت ہی عمدہ اور معلوماتی ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

عظیم شیعہ دانشور، ''سید بن طاوؤس'' اپنی مشہور کتاب ''کشاف المحجہ'' میں اپنے صاحبزادے کو نصیحت کرتے ہیں کہ اس رسالہ کا بالضرور مطالعہ کریں۔[۷۰]

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''جو کوئی قصد سفر رکھتا ہو ضروری کتابوں میں سے کہ جسے اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے وہ توحید مفضل ہے''[۷۱]

مفضل خود رسالہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ایک دن مسجد النبیؐ میں بیٹھا، پیغمبر اکرمؐ کی عظمت اور خداوندعالم نے جو عزت و شرف اور فضیلت و افتخار انہیں بخشا ہے، ان کے بارے میں سوچ رہا تھا، اچانک مجھ سے قریب ہی بدنام زمانہ اور بے دینوں میں مشہور ''ابن ابی العوجا'' آکر بیٹھ گیا اور اتنا قریب تھا کہ میں اس کی باتیں اچھی طرح سن رہا تھا اس کا ایک اور ساتھی اس کے پاس آیا اور پہلو

---

[۷۰] سید بن طاووس، کشف المحجۃ، ص: ۹

[۷۱] سید بن طاووس، امان الاخطار، ص: ۷۸۔

میں بیٹھ گیا۔ ان دونوں نے اپنے اپنے لحاظ سے پیغمبر اکرمؐ کی شخصیت کے بارے میں باتیں شروع کردیں۔

اس گفتگو کے بعد، عالمیان کے رب کی بات آئی اور ان کی باتوں کا سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ اس دنیا کا کوئی خالق و نگراں نہیں ہے اور یہ سب کچھ بغیر خالق کی مدد کے فطرت کی وجہ سے معرض وجود میں آیا ہے، اب تک ایسا ہی تھا اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

چونکہ اس طرح کی فضول باتیں خدا کے منکرین اور اس کی رحمت واسعہ سے دور محروم انسانوں کے ذریعہ سنی تھیں۔ اپنے غصہ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور کہا: تو خدا کا دشمن ہے جو کہ زندیق و بے دین ہو چکا ہے، تو اس خدا کا انکار کررہا ہے جس نے کہ تجھے اس بہترین شکل و صورت کے تحت پیدا کیا اور مجھے مختلف حالات و مراحل سے گذار کر اس حد تک پہنچایا ہے! اگر اپنے اندر جھانک کر دیکھے گا اور اپنی حس اور دریافت پر توجہ دے گا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پروردگار کے وجود کے دلائل اور اس کی تخلیق کے آثار تیرے اندر موجود ہوں گے اور

خداوند عالم کے وجود و قدرت اور اس کے برہان و علم اور حکمت کا وجود تیرے اندر آشکار و واضح ہے۔

ابن ابی العوجا نے کہا: اے مرد! اگر تو دانشور اور دانا ہے تو تجھ سے واضح طور پر بات کروں اور اگر تو نے مجھے قانع کر دیا تو تیری پیروی کروں گا اور اگر قانع نہ کر سکا تو تم ان میں سے نہیں ہو اور تم سے بات کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ اگر تم جعفر بن محمد کے اصحاب میں سے ہو تو وہ بھی مجھ سے اس طرح کی باتیں نہیں کریں گے اور نہ ہی اس طرح سے بحث و مناظرہ کریں گے۔ تم نے جو باتیں مجھ سے سنی ہیں وہ اس سے پہلے بارہا سن چکے ہیں، لیکن کبھی مجھے گالی نہیں دی اور مجھے جواب دینے میں اپنی حد سے تجاوز نہیں کیا۔ وہ بہت ہی صابر و شاکر ہیں اور ان پر کبھی غصہ وغیرہ غالب نہیں آتا ہے۔ وہ ہماری باتیں اور دلیلوں کو سنتے ہیں، ہم جو کچھ بولنا چاہتے ہیں بے دھڑک بول دیتے ہیں جبکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان پر غالب آگئے ہیں پھر وہ مختصر ترین جملہ کے ساتھ ہماری باتوں اور دلیلوں کو باطل کر دیتے ہیں اور مختصر ترین وقت میں اتمام حجت کر دیتے ہیں اور ان کا جواب ایسا ہوتا ہے کہ ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے ہیں اور نہ ہی تردید

کر سکتے ہیں اب اگر تم ان کے صحابی ہو تو جیسا کہ ان کے صحابی ہونے کا حق ہے اسی انداز میں مجھ سے گفتگو کرو۔ میں بڑے ہی بجھے ہوئے انداز میں مسجد سے باہر نکلا اور یہی سوچتا رہا کہ مسلمان عوام اس طرح کے بے دین لوگوں کے کفر اور پروردگار کے انکار پر مبنی شبہات میں مبتلا ہوگئے ہیں، لہٰذا میں اپنے آقا حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب انہوں نے مجھے ملول و غمگین حالت میں دیکھا تو پوچھا: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

میں نے اس بے دین کی بات بتائی تو حضرتؑ نے فرمایا: میں تمہارے لئے عالم خلقت میں جانوروں، پرندوں، حشرات، درختوں، نباتات، جاندار و غیر جاندار، مویشیوں اور دیگر مخلوقات کی تخلیق کے سلسلہ میں پالنے والے کی حکمت بیان کروں گا تاکہ عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کریں اور مؤمنوں کی معرفت میں اضافہ ہو نیز ملحد و کافر لوگ حیران و متعجب ہو اٹھیں۔ تم کل صبح میرے پاس آجانا۔

میں اس نایاب و بے مثال توفیق سے بہت خوش ہوا اور گھر آکر کل صبح سے انتظار میں آنکھوں میں رات کاٹی جو کہ انتظار کے لمحات میں بڑی لمبی ہو چکی تھی، صبح

سویرے ہی امام علیہ السلام کی زیارت کو نکل پڑا۔ اجازت چاہی اور دست ادب جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر امام علیہ السلام کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا، جب میں بیٹھ گیا تو فرمایا: مفضل ایسا لگتا ہے کہ مجھ سے ملنے کی چاہت اور انتظار نے تمہاری رات کو لمبی بنا دیا ہے!

میں نے عرض کیا: جی میرے مولا: ایسا ہی ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے مسلسل چار نشستوں میں توحید اور مخلوق کی تخلیق کے سلسلہ میں الٰہی حکمت نیز عدل الٰہی کے سلسلہ میں مفید و گرانقدر مطالب بیان فرمائے اور میں نے ان کے سبھی بیانات وارشادات کو لکھ لیا۔

امام علیہ السلام کی شہادت

منصور جو کہ بنی عباس کے سب سے اوباش اور ستمگر خلفاء میں سے تھا، ہمیشہ ہی اپنے زرخرید جاسوسوں کے ذریعہ امام علیہ السلام پر کڑی نظر رکھنے کے ساتھ ہی

بارہا اذیت و آزار کا نشانہ بنا چکا تھا یہاں تک کہ انہیں ختم کرنے کے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اپنے پاس بھی بلا چکا تھا۔ لیکن چونکہ تقدیر میں نہ تھا اس لئے اپنے منحوس و پلید مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا تھا۔

ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک مرتبہ منصور نے میرے بابا کو اپنے پاس بلا اور ان کے قتل کا منصوبہ بناتے ہوئے تلوار اور دیگر وسائل قتل آمادہ کرنے کے بعد دربار کے محافظ ربیع کو حکم دیا کہ جب جعفر بن محمدؑ داخل دوبار ہوں اور میں ان سے گفتگو کرنے کے درمیان اپنے ہاتھ پر ہاتھ ماروں، اشارہ سمجھ جانا اور ان کی گردن اڑا دینا۔

امام علیہ السلام جیسے ہی دربار میں داخل ہوئے منصور بے ساختہ طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، امام علیہ السلام کا خیر مقدم کرتے ہوئے بولا:

"میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ کا وہ قرض جو مجھ پر واجب الادا ہے، دے سکوں"

اس کے بعد بڑی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام علیہ السلام کے اعزہ و اقارب کا حال پوچھا اور ربیع سے مخاطب ہو کر بولا: تین دن کے لئے جعفر بن محمدؑ کو ان کے گھر والوں کے پاس رہنے دو۔ [۷۲]

لیکن سر انجام، منصور امام علیہ السلام کے وجود مبارک کو جن کی امامت و قیادت کی شعاعیں اسلامی سرزمینوں کے دور افتادہ ترین علاقوں تک، پھیل چکی تھیں، معاشرے میں تحمل نہ کر سکا اور شوال ۱۴۸ ہجری قمری میں زہر دے دیا، امام علیہ السلام ۲۵ شوال کو پینسٹھ برس کی عمر میں عالم ملکوت کو سدھار گئے اور اپنے پدر بزرگوار کے جوار میں جنت البقیع میں سپرد لحد کر دیئے گئے۔ [۷۳]

کتنا بہتر ہوگا کہ امام عالیمقام کے غم میں فداکار شیعہ شاعر ''ابوہریرہ عجلی'' کے ہمراہ اشک فشانی کرتے ہوئے پڑھیں:

---

[۷۲] بحار الانوار، ج: ۴۷، ص: ۱۶۲۔

[۷۳] کافی، ج: ۱، ص: ۴۷۲۔

جب جنازہ اٹھانے والے اس پاکیزہ پیکر کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے، میں نے کہا: کیا تمہیں خبر ہے کہ کیسی عظیم ہستی کو سپرد خاک کرنے جارہے ہو؟

افسوس کہ پہاڑ سے بہنے والا بلند بالا چشم اپنی تمامتر رفعتوں کے باوجود زمین پر آگراہے اور قبر میں دفن ہونے والا ہے۔

کل کو لوگ اس کی قبر پر مٹی ڈالیں گے۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ اس کی جدائی اور فقدان پر اپنے سروں پر خاک اڑائی جائے۔

جی ہاں، حقیقت حقیقت تو یہ ہے کہ عزیزو گرامی قدر امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت سے تاریخ اسلام و انسان نے ایک ایسے گوہر نایاب و عالمتاب کو کھو دیا کہ اگر ان بزرگ ہستیوں کا سلسلہ امامت نہ ہوتا تو بے شک یہ کہا جاسکتا تھا کہ دنیا قیامت تک اس طرح کی عظیم ہستیوں کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے سے محروم ہو کر رہ گئی ہے۔"[۷۴]

---

[۷۴] منتھی الامال، زندگانی امام صادق

خدا، ملائکہ اور صالحین نیز مؤمنون کا دائمی درود و سلام ہو ان پر !

ہم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے مختصر پہلوؤں پر ہی روشنی ڈالنے کو کافی سمجھا ہے کیونکہ امام علیہ السلام کی زندگی کے اکثر اور تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنا نہ تو ہمارے بس میں ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے اختیار میں !

ہمیں توقع ہے کہ ہماری یہ کاوش و تحریر قارئین کرام کے لئے مفید واقع ہو گی اور ان شاہراہ ہدایت کی حصولیابی کے لئے روشن چراغ ثابت ہو گی، کوشش ہماری اور توفیق خداوند متعال کی !

امام علیہ السلام کے گرانقدر ارشادات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے باوفا ساتھی ''ابو بصیر'' کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کی اہلیہ ''ام حمیدہ'' کو تعزیت پیش کرنے ان کے گھر گیا۔ ہم دونوں ہی امام عالیمقام کی فرقت میں خوب روئے۔ پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا:

"اے ابو بصیر" اگر تم امام علیہ السلام کی رحلت کے وقت یہاں ہوتے تو تعجب کرتے کیونکہ اس وقت امام علیہ السلام نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا: "سبھی قرابتداروں کو میرے سامنے پیش کرو۔"

جب سب لوگ حاضر ہوگئے تو امام علیہ السلام نے سب کو دیکھا اور فرمایا: ہم ائمہؑ کی شفاعت ایسے لوگوں کے شامل نہ ہوگی جو نماز کو سبک قرار دیتے ہوں۔[۷۵]

اب اس کتاب کے اختتام پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کچھ گرانقدر اور زریں اقوال پر نظر ڈالتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے ان ارشادات کا ہم پر اور ہماری زندگی پر اثر ہوگا اور ہمارے دلوں کو ایمان کی روشنی ملے گی جو کہ ہمارے عمل کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

۱۔ ہر وہ مسلمان جو اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی خواہشات اور مطالبات کی انجام دہی کے لئے کوشش کرے، اره خدا میں جہاد کرنے والے مجاہد کا درجہ رکھتا ہے۔[۷۶]

---

[۷۵] وسایل، ج: ۳، ص: ۱۷

۲۔ لوگوں میں پائی جانے والی آگہی و دانش کو جو کہ مفید ہو، چار چیزوں میں پایا ہے:

پہلی تو یہ کہ خدا کو پہچانو!

دوسری یہ کہ: یہ جانو کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور اس نے تمہیں کون سی نعمتیں دی ہیں۔

تیسری یہ کہ: تمہیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ تمہارا خدا تم سے کیا چاہتا ہے اور تمہارا فریضہ کیا ہے۔

چوتھی یہ کہ تمہیں یہ پتہ ہونا چاہیے کہ تمہیں کون سی چیز دین کے دائرے سے باہر لیجا سکتی ہے۔"

۳۔ پیغمبروں کے اخلاق میں چار خصلتیں پائی جاتی ہیں:

---

[۷۶] محدث نوری، مستدرک الوسایل، ج: ۲، ص: ۴۰۷

[۷۷] شیخ مفید، الارشاد، ص: ۲۶۵

نیکی کرنا، سخاوت، پریشانیوں اور مصیبتوں کے موقع پر صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنا اور مؤمنوں کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔[۷۸]

۴۔ مؤمن ہمیشہ دو خوف کے زیر سایہ رہا کرتا ہے۔ ایک تو ماضی کے گناہوں کے درمیان کہ جس کے بارے میں نہیں جانتا کہ خدا ان گناہوں کی بابت کیا کرے گا اور باقی بچی زندگی کے دوران کہ جس کے بارے میں نہیں جانتا کہ اس سے مستقبل میں کون کون سے گناہ سرزد ہوں گے اور ان کی وجہ سے کن پریشانیوں میں مبتلا ہوگا، اسی وجہ سے اس کی راتیں، دن میں تبدیل نہیں ہوا کرتی ہیں اور فکر لاحق رہا کرتی ہے کہ خوف خدا سے کیسے سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے دن بھی نہیں کٹا کرتے کہ میری راتیں کیسی گذریں گی اور وہ تمام وقت خوف خدا سے خائف رہا کرتا ہے۔

---

[۷۸] ابن شیبہ حرّانی، تحف العقول، ص: ۳۷۵۔

اور یہی خوف خدا ہے جو اس کی اصلاح کیا کرتا ہے۔[79]

۵۔ تین لوگ تین جگہوں پر پہچانے جاتے ہیں: غصہ کے موقع پر حلم و صبر، جنگ کے موقع پر دلیری و شجاعت اور ضرورت کے موقع پر بھائی چارہ دکھانا۔[80]

۶۔ ہر نیکی و برائی کی جڑ ہم ہیں اور سبھی اچھائیاں اور برائیاں ہمارے ذریعہ ہی وجود میں آتی ہیں ہم ہی اس کی شاخیں اور پتیاں ہیں۔ توحید، روزہ، غصہ کو پی جانا، کسی ایسے کو معاف کردینا جس نے کہ ہمارے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ ضرورتمندوں پر رحم کھانا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا اور بافضیلت لوگوں کی فضیلت کا اعتراف کرنا وغیرہ جملہ نیکیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ہمارے دشمن بھی ہر برائی اور شر کی جڑ ہیں اور ساری برائیاں ان کی شاخیں اور پتیاں ہیں۔ ان کی جملہ برائیوں میں، جھوٹ، کنجوسی، چغلخوری، قطع رحمی، سود خوری، یتیموں کا مال

---

[79] مدرک بالا، ص: ۳۷۷

[80] مدرک بالا، ص: ۳۱۶

کھانا، ان حدود سے تجاوز کہ جن کو خدا نے مقرر کیا ہے۔ آشکار او پنہاں جرائم کا ارتکاب، زنا، چوری اور اس طرح کی دیگر برائیاں اور خبائث شامل ہیں۔

ایسے لوگ کہ جنہوں نے دشمنوں سے اور ان کی شاخ و برگ (شاخوں اور پتیوں) کا سہارا لے رکھا ہو اور خود کو ہم سے متمسک اور خود کو شیعوں میں سے قرار دیتے ہوں، ایسے لوگ جھوٹے ہیں۔[۸۱]

والسلام

[۸۱] الامام الصادق، ج: ۳، ص: ۱۳۸۔

سیری کوتاه در زندگی
چهارده معصوم
۸

برگزیدگان

حضرت
امام جعفر صادق
علیه السلام

برای نوجوانان